مسئلہ خمس

حجۃ الاسلام علامہ سید ابن حسن نجفی

ادارہ تمدن اسلام

بسم الله الرحمن الرحيم

واعلموا انما غنمتم من شيء فان لله خمسه

وللرسول ولذي القربى واليتامى والمساكين و

ابن السبيل ان كنتم امنتم بالله وما انزلنا على عبدنا

يوم الفرقان يوم التقى الجمعان والله على كل

شيء قدير

مسئلۂ خمس

حجۃ الاسلام علامہ سید ابن حسن نجفی

ادارۂ تمدن اسلام

پوسٹ بکس ۱۳۶۹۸ کراچی ۳۸ پاکستان

زیرِ نظر کتاب کی اشاعت و طباعت کے تمام حقوق
ادارۂ تمدن اسلام کے پاس محفوظ ہیں

تحریر — حجۃ الاسلام علامہ سید ابن حسن نجفی
پیش کش — سید شمس نجفی
خطاطی — سید تہذیب حسین نقوی امروہوی
اہتمام و صورت گری — سید انصار حسین واسطی
طبع — المشہد پرنٹنگ ایجنسی - فضلی سنز



MAS'OOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No. 084972
★ MAILSI ★

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

کتاب مسئلہ خمس میں قرآنی آیات پر مشتمل
نو عدد صفحات کا بغور اور حرفاً حرفاً مطالعہ
کرلیا۔ انشاء اللہ اغلاط سے پاک ہے۔

واللہ اعلم

حاکم الدین رحمانی

فہرست

حرفِ آغاز

بعونہ تعالیٰ

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ
لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ
طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ
اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ

یہ ضروری نہیں تھا کہ تمام کے تمام ایمان والے "اپنے گھروں سے" نکل کھڑے ہوتے. مگر یہ تو چاہئے تھا کہ ان میں سے ہر جماعت کے کچھ لوگ آگے بڑھ کر دین کی سمجھ پیدا کرتے "فقیہ بنتے" اور پھر واپس جاکر اپنے اپنے علاقے کے باشندوں کو باخبر کرتے، انھیں دینی شعور دیتے" تاکہ وہ "اغیار کا رویہ اختیار کرنے سے پرہیز کرتے۔

سورہ توبہ - آیت: ۱۲۲

اُردو زبان میں دینی علوم کے معیاری ذخیرے کی کوئی کمی نہیں! لیکن نہ جانے کیوں استدلالی فقہ پر اب تک کوئی کام نہیں ہوسکا! اس تعامل کی دُو وجہیں سمجھ میں آتی ہیں - ایک تو یہ کہ ماضی میں "استدلالی فقہ" کو صرف علمائے دین کے پڑھنے پڑھانے کی چیز قرار دیا گیا اور طے پایا کہ علمائے کرام کی تو براہ راست اصل ماخذ و مصادر تک پہونچ ہے، لہذا "فقہ" یا "اُصول فقہ" کے میدان میں خامہ فرسائی سے کیا حاصل -؟

اور دوسرا سبب یہ کہ "بر صغیر پاک و ہند" میں فقہی ذہن کی کبھی تشکیل ہی نہیں ہوسکی —— کثرت ادیان و ملل کے باعث "عقائد و نظریات" کی توضیح و تفہیم کا معاملہ اتنا بڑھا کہ "فکر و ذہن اور زبان و قلم" کی توانائیاں زیادہ تر کلامی مسائل کے لیے وقف ہوکر رہ گئیں اور بیشتر کتابیں مناظرے اور مجادلے پر تحریر ہوئیں۔

نتیجتہً شریعت کے عملی قوانین و ضوابط (PRACTICAL LAWS) کی نہ تو خاطر خواہ خدمت ہوسکی اور نہ اس عنوان سے عوام النّاس میں واقعی دلچسپی پیدا کروائی جاسکی! - اس کا اثر یہ ہوا کہ فقہی دولت کے لیے نہ "رسد کا راستہ بنا اور نہ طلب کی راہ کھلی -!" اب ظاہر ہے کہ جہاں لوگوں کے

مزاج کو قانون ہی سے کوئی خاص لگاؤ نہ ہو، وہاں قانون کی تلاش اور قانونی مسائل کی تراش سے کیا شغف ہو سکتا ہے۔؟

بہرحال اگر دوپیش کے مؤثرات ہوں یا کوئی اور علّت، فقہ پر سنجیدگی سے توجّہ نہیں دی گئی اور علم کے اس انتہائی اہم شعبے کے ساتھ انصاف نہیں ہو سکا!

لیکن حالات کے ناموافق یا غیر مساعد ہونے سے کسی بھی بنیادی ضرورت کی اہمیت وافادیّت تھوڑی، کم، یا ختم ہو سکتی ہے۔؟

اور اسی حقیقت کے پیش نظر، حجۃ الاسلام والمسلمین علاّمہ سیّد ابن حسن نجفی نے پہلی مرتبہ استدلالی فقہ کو اپنی فکر کا موضوع بنایا اور اپنی کاوشوں کے لیے "مسئلہ خمس" کا انتخاب فرمایا۔

خمس وہ فرض ہے جس کی عدم ادائیگی سے تمام عبادات کے ضائع جانے بلکہ پوری زندگی کے گناہ آلود ہونے کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے! مگر اس کے باوجود اس عبادت سے کچھ لوگ تجاہل برتتے ہیں اور کچھ تغافل سے پیش آتے ہیں۔

علاّمہ صاحب نے مسئلے کے ہر پہلو کو اجاگر کرنے کے لئے اس پیشکش

میں دلائل کو بالکل نئے سانچے اور نگارش کو جدید ترین اسلوب مرحمت فرمایا ہے۔

آپ نے اس کتاب میں لغت تفسیر، حدیث، قانون، فلسفۂ قانون، تاریخ اور تنقید سے لے کر عہدِ نبویؐ کے تمسّکات، مستندات، اور رسائل و وثائق سے جس طرح استشہاد کیا ہے وہ ایک جانب آپ کی کنج کاوی کا واضح ثبوت ہے اور دوسری طرف مستقبل کے تحقیق پسندوں کے واسطے ایک درخشندہ مثال بھی ہے۔

خدا کرے اس طرز کی تصنیفات میں مزید اضافہ ہو۔

ادارۂ تمدّنِ اسلام

باسمہ سبحانہ

۱

خمس کا مطلب۔؟ عربی میں خَمُسُ یا خَمُسَۃٌ پانچ کو کہتے ہیں اور اسی مناسبت سے ہر چیز کا پانچواں حصّہ خمس کہلاتا ہے۔

لیکن شریعت کی اصطلاح یا فقہ اسلامی کی زبان میں زکوٰۃ کی طرح خمس ایک مالی عبادت ہے۔ اللہ کے حکم سے جہاں اور سارے فرائض کا بجالانا ہر ذمّے دار آدمی کے لیے ضروری ہے، وہاں اس عبادت کا ادا کرنا بھی ہر مکلف شخص پر واجب ہے۔

خداوند عالم اِرشاد فرماتا ہے۔ قرآن حکیم کے آٹھویں سورے سورۂ انفال کی اکتالیسویں[۴۱] آیت میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ
لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی
وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ
السَّبِیْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ
وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ
یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ
شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

اور تمھیں معلوم ہو کہ تم کسی چیز سے نفع حاصل کرو تو
اس کا پانچواں حصہ اللہ، اُس کے رسُول اور
(رسُول کے) قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں
اور پردیسیوں کے لیے ہے۔ اگر تم خدا اور اُس تائید
ونصرتِ غیبی (پر) ایمان لا چکے ہو جو فیصلے کے دن
(جنگِ بدر میں) جس روز دونوں فوجوں کا ٹکراؤ
ہوا تھا۔ ہم نے اپنے بندے (محمد مصطفےٰ) پر
نازل کی تھی (تو یہ حصہ خوشی ادا کر دو) اور
خدا تو ہر چیز پر قادر ہے۔

۲

غنیمت کسے کہتے ہیں۔؟

سورۂ انفال کی جس آیت کے حوالے سے مسئلہ خمس پر استدلالی گفتگو ہوتی ہے اُس میں اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ کے لفظوں کا نپا تُلا اور بے ساختہ ترجمہ تو یہی ہے کہ "تم کسی چیز سے جو نفع حاصل کرو"۔ مگر بعض مشہور مکاتب فقہ کے معزّز دانشمند اِس ترجمے اور اس کی توضیح کے سلسلے میں جی کھول کر ہمارا ساتھ نہیں دیتے۔ ان کا خیال ہے کہ اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ کا مفہوم یہ ہے کہ "جو کچھ مالِ غنیمت تم نے حاصل کیا ہے[1]"، خُمس اُس پر لگنا چاہیے اور بنا بر شہرت چونکہ غنیمت کا تعلّق صرف جنگ سے ہوتا ہے۔ لہٰذا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھنا پڑے گا کہ "دارالحرب" میں غیر مسلموں سے لڑ جھگڑ کر جو اثاثہ ہاتھ آتا ہے وہ تو غنیمت ہے اور اس کے علاوہ دوسرے طریقوں سے جو فائدہ حاصل ہو اُسے غنیمت میں نہیں شامل کرنا چاہیے۔!

[1] ترجمہ قرآن مجید۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ ص ۲۷۹

یہاں پر نظریاتی فرق اور فاصلوں کی وجہ سے بات خاصی الجھی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ علمی راہوں سے مسئلے کا جائزہ لیا جائے اور منطقی طریقوں سے صحیح فیصلے تک پہونچنے کی پرخلوص کوشش کی جائے تاکہ کوئی مسلمان ایک امرِ واجب پر عمل پیرا ہونے کی سعادت سے محروم نہ رہے۔

تو آیئے پہلے لفظ غنیمت کو لغت و فرہنگ میں دیکھیں، پھر اس کے اصطلاحی مفہوم کی طرف آئیں اس کے بعد قرآن مجید کی تفسیروں کا مطالعہ کریں پھر تاریخ و سیرت سے رہنمائی حاصل کریں۔ بعد ازاں مجامع حدیث پر نظر ڈالیں اور آخر میں فقہی ذخیرے کا جائزہ لیں۔ نتیجہ خود بخود سامنے آجائے گا ـــــ!

۳

لغت وفرہنگ

عربی زبان وادب کے پورے ذخیرے میں غ - ن - م کے حرفوں سے بنے ہوئے صرف دو اصلی لفظ ملتے ہیں۔ ایک غَنَمٌ بروزن صَنَمٌ اور دوسرا غُنْمٌ اسے حُکمٌ کے وزن پر سمجھ لیجیے[1]۔ غَنَمٌ کا لفظ بھیڑ، بکریوں کے لیے مخصوص ہے اور اللہ کی کتاب میں تین مقامات پر اسی مفہوم کے لیے آیا ہے[2]۔

رہا لفظ غُنْمٌ اور اس کے مشتقات یعنی وہ الفاظ جو غُنْمٌ سے بنے ہیں۔ جیسے غنیمت۔ غَنیم۔ غنائم۔ غانم۔ غنمان اور مغانم وغیرہ یہ تمام کے تمام لفظ عام طور پر ہر قسم کی نفع اندوزی، کاروباری فوائد۔ حصّے سے زیادہ ہاتھ آنے والے مال نیز حرص وطمع کے معنے دیتے ہیں۔

[1] لغت کے ایک بہت بڑے عالم ابن منظور افریقی اپنی شاہکار تصنیف "لسان العرب" میں لکھتے ہیں کہ غُنْم - غین پر پیش کے ساتھ اسم ہے اور زبر ہو تو مصدر ہے - جلد ۱۵

[2] سورۂ انبیاء آیت ۷۸ - سورۂ انعام - آیت - ۱۴۶ - سورۂ طٰہٰ - آیت ۱۸

غُنم کے قبیلے سے تعلق رکھنے والے الفاظ عربی قواعد (GRAMMAR) کے مزاج اور اس کے تقاضوں کے مطابق قرآن حکیم میں اپنی مختلف شکلوں کے ساتھ چھ[٦] آیتوں میں استعمال ہوئے ہیں[۵]۔ مگر مطلب سب کا ایک ہی ہے۔

اچھّا! اب لغت و فرہنگ کی دنیا میں جو چوٹی کے لوگ ہیں ذرا ان سے پوچھتے ہیں کہ غَنِیمَت غُنم اور اُن سے تعلّق رکھنے والے لفظوں کا کیا مطلب ہے؟ ——— تو سب سے پہلے پانچوَیں صدی ہجری کے عظیم دانشمند، مانے ہوئے لغت شناس اور اپنے دور کے بہت بڑے مفسّر امام راغب اصفہانی کے پاس چلتے ہیں۔ ان کی شہرۂ آفاق کتاب المفردات فی غریب القرآن میں غَنَمٌ کے زیرِ عنوان لکھا ہوا ہے "بھیڑ، بکریوں کو غنم کہتے ہیں۔ یہ بہت مشہور لفظ ہے اور پھر وہ اپنی افتادِ طبع کے مطابق سورۂ انعام کی ایک سو چھیالیسویں[١٤٦] آیت کا سہارا لیتے ہیں جس میں خداوند عالم نے بَقَر کے ساتھ غَنَم کا لفظ بھی استعمال فرمایا ہے۔ اس کے بعد یہ نامور محقّق تحریر فرماتے ہیں کہ "ان چیزوں کے (یعنی۔ بھیڑ بکریوں کے) مل جانے یا انھیں جیت لینے کو غُنم کہتے ہیں اور بعد ازاں یہ لفظ اس مال و متاع کے لیے بولا جانے لگا جو جنگ کے ذریعے دشمنوں سے دستیاب ہو یا اس کے علاوہ دوسرے طریقوں سے حاصل ہو جائے۔

——— المفردات فی غریب القرآن۔ صفحہ ٣٧٢ مطبعہ میمنیہ مصر ١٣٢٤ھ

---

۵ سورۂ انفال آیت ٤١، ٦٩۔ سورۂ نساء۔ آیت ٩٤۔ سورۂ فتح۔ آیت ١٥، ١٩، ٢٠

اور اب آیئے! چھٹی صدی ہجری کے ایک دیدہ ور عالم، اسلامی ادب کے نکتہ رس پیشوا مجدالدین ابوالسعادت المُبارک سے ملئے ۔ یہ بزرگ ابن اثیر جزری کی عرفیت سے پہچانے جاتے ہیں اور ان کی بے حد قیمتی تصنیف النّھایۃ فی غریب الحدیث والاثر دنیا بھر میں مشہور ہے۔

چنانچہ ابن اثیر اپنی اس کتاب میں ترقیم فرماتے ہیں۔

"دارالحرب کے کافروں کا مال جو لڑائی میں مسلمانوں کے ہاتھ آئے اسے تو غنیمت کہتے ہی ہیں مگر اس ذات کے تمام الفاظ یعنی غنیمت اور اس سے مشتق ہونے والے یا اس سے بننے والے تمام کے تمام لفظ کسی شئ کے اضافے، کسی چیز کی طمع، لالچ، حرص، ہوس اور ہوٗ کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ روزے کے سلسلے میں وارد ہوا ہے۔ اَلصَّوْمُ فی الشِّتَاءِ اَلْغَنِیْمَۃُ الْبَارِدَۃُ" سردیوں کا روزہ بغیر زحمت کے حاصل ہونے والی غنیمت ہے۔ اسی طرح رَہَن کے بارے میں ایک حدیث ہے۔" اَلرَّھْنُ لِمَنْ رَھَنَہُ، لَہُ غُنْمَہُ وَعَلَیْہِ غُرْمَہُ" "غُنْمَہُ، زیادتہ ونمائہ وفاضل قیمتہ" یعنی۔ کوئی چیز گروی ہو تو اس کا فائدہ یا نقصان گروی رکھنے والے کو پہونچے گا۔ یہاں غُنم سے فائدے کے تناسب اور قیمت کی شرح میں اضافہ مقصود ہے۔"

النہایہ : جلد ۳ صفحہ ۱۷۳

نیز یہ نکتہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اس حدیث میں غُنم کا لفظ غُرم کے مقابلے پر استعمال کیا گیا

ہے۔جس کا مطلب ہے ہر قسم کا گھاٹا اور نقصان ۔ بنابریں غُنم اور غنیمت کو بھی ہر طرح کے نفع اور فائدے کے مفہوم میں جاننا چاہیے۔

خیر! اس کے بعد لسان العرب کے ذریعے ابن منظور افریقی سے بات کرتے ہیں ۔ یہ بزرگ اپنے زمانے میں بڑے پایہ کے عالِم اور ساتویں صدی ہجری کے انتہائی قدآور زبان داں تسلیم کئے جاتے ہیں۔

موصوف لفظ غنیمت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ سلسلۂ احادیث میں غنیمت، مغنم اور غنائم کا تذکرہ بار بار آیا ہے۔ یہ الفاظ لڑائی میں حربی کافروں سے حاصل شدہ مال ومتاع کے لیے استعمال ہوتے ہیں، حرص وآز کے مفہوم کو ظاہر کرنے کے لیے بھی کام میں لائے جاتے ہیں۔ نیز ہر قسم کے فائدے، ثواب اور معاوضے کے واسطے بھی مستعمل ہیں۔

—— لسان العرب۔ فصل الغین۔ حرف المیم

جلد ۱۵۔ مطبوعہ بولاق

اور پھر القاموس المحیط کے توسط سے آٹھویں صدی ہجری کے سب سے زیادہ متبحر دانشمند محمد ابن یعقوب فیروز آبادی کی خدمت میں پہونچتے ہیں۔ ”صاحب قاموس“ رقمطراز ہیں۔ غنیم، غنیمت، غُنم ۔ فئ کو کہتے ہیں اور اگر کوئی جان جوکھوں میں نہ ڈالے اور آسانی سے کچھ اس کے پلّے پڑ جائے تو ایسی آمدنی کو بھی غنیمت یا غُنمان کا نام دیا جاتا ہے۔

—— قاموس المحیط۔ فصل الغین۔ باب المیم۔ جلد ۴ طبع۔ دار الجیل۔ بیروت

اور یہ المعجم الوسیط ہے۔ قاہرہ جیسے علم پرور شہر کے ممتاز ادبی مرکز مجمع اللّغۃ العربیّۃ کی نگرانی میں چار بڑے دانشوروں کی جدّوجہد سے یہ کتاب مرتّب ہوئی ہے۔ اس میں غَنم اور غُنم کی وضاحت کے سلسلے میں تحریر ہے۔ کسی شریک جنگ غازی کو دشمن کا کچھ اثاثہ مل جائے تو کہا جائے گا۔ کہ مالِ غنیمت ہاتھ آیا اور اگر بغیر کھکھیڑ ہی کے کوئی فائدہ ہو جائے تب بھی اسی قبیل کے لفظ استعمال ہوں گے۔"

__ المعجم الوسیط۔ صفحہ ۶۶۴ - جلد ۲ - مطبوعہ۔ قاہرہ

ہاں! دورِ جدید کی مقبول ترین کتبِ لغت و فرہنگ میں الاب لویس معلوف الیسوعی کی زرّیں پیش کش "المنجد" کا نام بہت اونچا ہے۔ آیئے! ذرا اسے بھی دیکھتے چلیں۔ یہ ہے اس کا صفحہ ۵۶۱ کتاب کے مصنّف ترقیم فرماتے ہیں "غنیمۃ جنگ کے نتیجے میں ہمدست ہونے والے ساز و سامان کو کہتے ہیں۔ عام فائدے یا کمائی کو بھی غنیمت جانئے۔ علاوہ ازیں غنیمۃٌ باردۃٌ اس نفع کو کہتے ہیں جو آرام سے دستیاب ہو جائے۔ یا یوں کہیے۔ کہ وہ فائدہ جس کے حصول میں زیادہ کدو کاوش نہ کرنا پڑے"۔ (المنجد سترھواں ایڈیشن)

اور چلتے چلتے ایک بہت ہی خوبصورت، نئی نسل کے لیے، نئے ڈھب سے ترتیب دیئے ہوئے لفظوں کے مجموعے الرّائد پر بھی نظر ڈال لیں۔ یہ کتاب جبران مسعود کی محنتوں کا ثمرہ اور دار الملایٔین کی پیش کش ہے۔

اس میں لکھا ہے "کسی چیز کو حاصل کرنے میں کامیابی کا منہ دیکھنا، کسی شئ کا بے معاوضہ حاصل

ہو جانا نیز جنگ یا بغیر جنگ کے کچھ مل جائے تو وہ غنیمت ہے۔"

—— الرائد۔ مادّہ، الغنیمۃ۔ جلد ۲ صفحہ ۱۰۹۰۔ ایڈیشن ۴ طبع بیروت

بہر کیف! چونکہ اختصار سے کام لینا ضروری ہے اس لیے سامنے رکھی ہوئی اور بہت سی قدیم وجدید لغات کی ورق گردانی میں کیوں وقت لگایا جائے! ان میں بھی یہی کچھ لکھا ہوا ہے۔ یعنی! غنیمت صرف اس فائدے کو نہیں کہتے جو دشمنوں سے جنگ کے نتیجے میں نصیبِ دوستاں ہو —— بلکہ کام، کاج، صنعت، حرفت، انعام، اکرام، تلاش، جستجو یا اتفاقات کے سلسلے میں ہر طرح کے نفع، آمدنی یا بچت کو عربی زبان میں غنیمت کہا جاتا ہے۔

۴

اصطلاحی مفہوم

اصطلاح کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ دنیا کی کوئی زبان ہو اور اس کے کسی لفظ کے اصلی یا رواجی معنی خواہ کچھ ہوں مگر جب وہ لفظ علم وفن کے کسی شعبے میں اس میدان کی مستند اور با اختیار شخصیتوں کے ذریعے کسی خاص مقصد کو بیان کرنے کے واسطے اپنا لیا جائے تو متعلقہ علم وفن میں مہارت رکھنے والے اس لفظ کو اپنے شعبۂ علم وفن کی خاص زبان قرار دیتے ہیں۔ اور اس لفظ کے ثانوی مفہوم کو اصطلاح کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ معلوم کرنے کیلئے کہ جو لفظ ہمارے سامنے ہے اسے عام معنوں میں برتا گیا ہے یا دوسرے معنے دیکر اسے اصطلاح بنا دیا گیا ہے؟ تو اس معّمے کو حل کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ قرائن کا سہارا لیجیے۔ اگر آگے پیچھے کوئی قرینہ ہے اور عبارت کا رنگ ڈھنگ معمول سے کچھ الگ دکھائی دیتا ہے تو اسے اصطلاح جانیے اور اگر کوئی ایسی نشانی نہیں ملتی، کوئی ایسی شناخت نظر نہیں آتی جس سے ذہن کسی خاص علم وفن کے معیّن کردہ مطلب کی جانب چل

پڑے تو پھر اسے روزمرّہ کی زبان سمجھیے ۔!

اب اس لحاظ سے جب ہم لفظ غنیمت کا جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس لفظ کے مفہوم میں وسعت ضرور پیدا ہوئی مگر اربابِ اختیار نے اسے کبھی ثانوی مفہوم کا لباس نہیں پہنایا ——!

یہ لفظ جس غرض و غایت کو ظاہر کرنے کی خاطر اِسلام سے پہلے کے جان لیوا ماحول میں زبان زد عام تھا، تھوڑی سی وسعت اور ذرا سے بناؤ سنوار کے ساتھ اسلامی معاشرے کی روح پرور ادبیّات میں بھی اسی مقصد و مدعا کو بیان کرنے کے لیے استعمال ہونے لگا۔

جاہلیّت کے دور میں عربوں کی معیشت اور معاشرت کسی باقاعدہ سیاسی نظام کے تابع نہیں تھی۔ بنابریں ریگستان میں بکھرے ہوئے خود رَو قبائل کی غیر منظّم زندگی کا جو انداز ہوتا ہے۔ جزیرہ نمائے عرب کا بھی وہی حال احوال تھا۔

اسلام کا سورج اُبھرا تو تمدّن کے تمام زاویے، ترقی کے سب گوشے اور خوش حالی کے سارے مقامات چمک اُٹھے۔ وہ عرب جو نہوت کے زمانے میں ایک ٹڈّی کو بہت بڑا فائدہ یا غنیمت سمجھتے تھے، مسلمان ہوئے تو دوسری قوموں کے دماغ کو سود و زیاں کے نئے نئے افکار و تصوّرات سے آراستہ کرنے لگے۔!

ہاں! تو بات فائدے کی تھی یا یوں کہئے کہ بے آب و گیاہ وادیوں میں رہنے والوں کی

معیشت اور معاشرت کے حوالے سے نظریہ غنیمت کا تجزیہ ہو رہا تھا اور اس سلسلے میں مختصراً یوں کہا جاسکتا ہے کہ عربوں کے وہ پہلے کے سے طور طریقے تو نہ رہے مگر غنیمت، غنیمت ہی رہی، حالات کے بدلنے سے اس کے مفہوم میں کوئی تبدیلی نہیں آئی! - البتہ اسلام نے بہتر اقتصادی اوضاع کے پیش نظر اس کی فہرست بڑی کردی - اب پانی بوند بھر ہو یا گلے گلے پانی ہی تو کہلائے گا - !

عربوں کے عقیدے، سیاست، میل ملاپ، رہن سہن اور تہذیب وثقافت میں ہر رُخ اور ہر پہلو سے ایک بہت بڑا، بنیادی انقلاب آگیا - مگر ان کی زبان کے لفظ غنیمت میں کوئی خاص فرق نہیں پیدا ہوا - !

مشہور محقق اور صاحب طرز قلمکار علامہ شبلی نعمانی اپنی وقیع پیش کش "سیرۃ النبی" میں "عرب اور جنگ و غارت گری" کے عنوان سے رقم فرماتے ہیں -

> "اس باب میں سب سے مقدم اور سب سے اہم اس حقیقت کا معلوم کرنا ہے کہ عرب کی قومیت کو جنگ و غارت گری سے کیا تعلق ہے؟ ہر قوم کے اخلاق و عادات، رسوم و معاملات، محاسن و اوصاف، معائب و مثالب، غرض اس کی کل قومی زندگی کا ایک خاص "اساس الامر" ہوتا ہے کہ سب چیزیں اسی سے بنتی ہیں اور اسی سے نشو و نما پاتی ہیں - عرب میں

یہ چیز "جنگ و غارت گری" تھی۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ عرب ایک ویران ملک تھا۔ کسی قسم کی پیداوار وہاں نہیں ہوتی تھی۔ لوگ ان پڑھ اور جاہل تھے۔ خورش اور پوشش کا قدرتی سامان صرف بھیڑ بکریاں اور اونٹ تھے کہ ان کا دودھ اور گوشت کھاتے تھے اور بالوں کو بن کر کمل بناتے تھے۔ لیکن یہ جائیداد بھی ہر شخص کو نصیب نہ تھی، یا تھی تو بقدر ضرورت نہ تھی۔ اس لیے حملہ اور غارت گری شروع ہوئی اور معاش کا سب سے بڑا بلکہ تنہا ذریعہ غارت گری قرار پایا۔

ابو علی قالی نے کتاب الامالی میں لکھا ہے۔

"وذلك انهم كانوا يكرهون	یہ اس لیے کہ وہ ناپسند کرتے تھے۔
أن تتوالى عليهم ثلاثة	کہ ان پر تین ماہ متواتر اس طرح گزر جائیں۔
اشهر لاتمكنهم الاغارة	کہ ان میں وہ غارت گری نہ کر سکیں۔
فيها لانّ معاشهم كان	کیونکہ ان کی معاش کا ذریعہ
من الاغارة"	یہی تھا۔

(کتاب الامالی جلد اوّل صفحہ ۶ مطبوعہ مصر)

چونکہ لوٹ میں زیادہ تر بکریاں ہاتھ آتی تھیں اور بکری
کو عربی میں غنم کہتے ہیں۔ اس لیے لُوٹ کے مال کو
عربی میں غنیمت[1] کہنے لگے! اس لفظ نے پھر یہ وسعت
حاصل کی کہ قیصر و کسریٰ کا تاج و تخت لٹ کر آیا تو اسی نام
سے پکارا گیا۔

رفتہ رفتہ یہی لفظ عرب قوم، عربی زبان، عربی تاریخ

---

[1] اس موقع پر شبلی نعمانی کے شاگرد رشید اور سیرۃ النبیؐ کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے والے دانشور علامہ سید سلیمان ندوی نے اسی کتاب کے صفحہ ۵۹۲ کے حاشیہ پر تحریر فرمایا ہے "۔ یہ مصنف کی ذاتی رائے ہے جس کی تائید کتب لغت سے ہاتھ نہیں آتی"

—— لیکن میرے خیال میں سید صاحب اگر اس ضمن میں مختلف معاجم ولغات کی زیادہ چھان بین نہ بھی کرتے اور صرف امام راغب اصفہانی کی "المفردات" کا مطالعہ فرمالیتے تو اپنے اُستاد کی رائے کو کمزور قرار دینے کی ہمت نہ فرماتے۔

یہ تو عربی فرہنگ کے عام مجموعوں میں بھی مذکور ہے کہ اونٹوں کو اِبِل کہتے ہیں اور اونٹوں کے حصول کو تأبّل کہا جاتا ہے۔ اسی طرح بھیڑ بکریوں کو غَنَم کا نام دیا جاتا ہے اور کسی کو بھیڑ، بکریاں مِل جائیں تو اسے تغنّم کہا جائے گا ——!

—— نجفی ——

کا سب سے زیادہ محبوب، سب سے زیادہ نمایاں،

سب سے زیادہ وسیع الاثر لفظ بن گیا۔

______ سیرۃ النبیؐ جلد ا صفحہ ۵۹۲

مطبوعہ لاہور

بہر کیف! غنیمت کا مفہوم سکڑنے کے بجائے اور پھیل گیا۔ چند بکریاں مل جائیں، قیصر کا تخت نصیب ہو جائے یا کسریٰ کا تاج ہاتھ لگ جائے یہ سب غنیمت میں شمار ہوگا! اسی طرح اگر تجارت سے کچھ فائدہ پہونچے تو وہ بھی غنیمت اور صنعتی پیداوار سے جو نفع حاصل ہوگا اسے بھی غنیمت قرار دیا جائے گا۔ وغیرہ وغیرہ!

واقعہ یہ کہ غنیمت ایک صاف سا لفظ ہے کوئی پہیلی نہیں۔ مگر اس کے باوجود بعض دیکھے اور جانے پہچانے دانشوروں نے قدرے علمی انصاف سے کام نہیں لیا۔ چنانچہ کسی نے اس کے مطلب میں یہ اضافہ کر دیا کہ بغیر زحمت و مشقت کے جو آمدنی ہو اُسے غنیمت کہتے ہیں اور اس طرح جنگ میں اور زورِ بازو سے ہمدست ہونے والی منفعتوں کو خواہ مخواہ مشکوک بنا کر رکھ دیا! کیونکہ دوسری جانب خاصے پڑھے لکھے طبقے نے بغیر کسی جواز کے اس لفظ کو صرف جنگ سے ملنے والے مال و متاع تک محدود رکھا ہے۔ اب کہاں بیٹھے بیٹھے ٹھنڈے پیٹوں کمانا اور کہاں جان ہتھیلی پر رکھ کر کچھ پانا۔ ان دونوں مفاہیم میں بالشت دو بالشت کا نہیں کوسوں کا فاصلہ ہے۔

بہر حال! اس دوسری تشریح سے تو غنیمت کا تصور "محرابِ خم شمشیر"، کے کسی گوشے

میں چھپ کر رہ گیا، اور دُھن کے پورے، کام کے پکّے سرمایہ داروں اور سرمایہ کاروں کو بالکل چھوٹ مل گئی۔!

خیر! ادیب، دانشور اور قلمکار بھی آدمی ہیں اور یہ بھی اپنے دور کے سیاسی، سماجی اور معاشی افکار و اوضاع سے متاثر ہوتے ہیں۔ اگر انھوں نے وقت کی سیاست کے کڑے تیور دیکھ کر اس سیدھی سی منطقی حقیقت سے گریز کیا تو زیادہ کڑھنے کی ضرورت نہیں۔ پیٹ کے مارے، ضمیر کے پُھس پُھسے اور دل کے ہڑہڑے لوگ جب صریر خامہ کا بیوپار کرنے لگیں تو یہی ہوتا ہے۔ "لوح و قلم" کے سوداگر، ایوانِ "علم و آگہی" کے نہ جانے کتنے سچّے نقش و نگار مٹا کر خدا معلوم کیا کیا شکلیں بنا چکے ہیں؟

ہائے! جنھیں مردہ افکار کے لیے مسیحا نفس ہونا چاہئے تھا وہ عقل و ذہن کے حق میں گورکن ثابت ہوئے۔! ورنہ کیا لسانیات، تفسیر، قانون اور فلسفۂ قانون جیسے مباحث پر روشنی ڈالنے والوں میں کوئی ایسا بھی ہو سکتا ہے جو یہ تک نہ جانتا ہو کہ وہ لفظ جو کسی "کُلّی مفہوم" یا ایک ذات، ایک خاندان، ایک ہی طرح اور ایک ہی اصل و نسل کے افراد کو پہچنوانے کے لیے بنایا گیا ہو تو اس کے مقصد و مراد کے دامن کو سمیٹنے کا کسی کو اختیار نہیں۔

مثلاً آم ایک پھل ہے اور اس کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں۔ اس کی پہلی تقسیم تو قلمی اور تخمی کے لحاظ سے کی جاتی ہے۔ پھر رنگ، ڈھنگ، خوشبو، ذائقے، انواع و اصناف اور اس کے بعد جغرافیائی خطّوں کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ مگر آپ اپنے ہاں آم کے کسی باغ میں

چلے جائیے تو دریافت کرنے پر انگلی اُٹھا کر دانے دانے کو آم ہی بتلایا جائے گا اور اسی عنوان سے ساتھ سمندر پار کے خاص الخاص آم کو لے لیجیے۔ کیلیفورنیا کا آم "برّصغیر پاک وہند" کے آموں سے بہت مختلف ہوتا ہے۔ مگر کہلاتا وہ بھی آم ہی ہے!

صرف پاکستان میں کھجوروں کی تقریباً ایک سو دس قسمیں ہیں۔ لیکن رنگ، روپ، وضع، قطع، مزاج اور مزے کے فرق نیز قابل لحاظ کثرت کے باوجود سب پر کھجور ہی کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔

بس! اسی قاعدے سے غنیمت مطلق فائدے کو کہتے ہیں۔ خواہ وہ جنگ و جنگاہ سے ملے، یا کاروکارگاہ سے حاصل ہو۔ فائدہ ہے تو ہر حال میں غنیمت ہی کہلائے گا۔

لیکن اس کے بعد بھی اگر بعض گوشوں سے یہ اصرار ہوتا ہے کہ وہ غنیمت کے مفہوم کو صرف دار الحرب کے کافروں سے لڑائی میں جیتے ہوئے ساز و سامان کے ساتھ باندھے رکھیں گے تو پھر انھیں بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کیونکہ "خلیفۂ دوم حضرت عمر ابن الخطابؓ نے دفینے (زمین میں گڑے ہوئے خزانے) سے خُمس لی ہے"۔ گویا دفینوں کو غنیمت سمجھا۔

— (کتاب الاموال۔ ابو عبید القاسم صفحہ ۴۷۶)

نیز بیہقی جیسے بزرگ محدّث اور فقیہ، نے حضرت عمر ابن الخطابؓ ہی کے حوالے سے لکھا ہے:—

"إِنَّ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِؓ جَعَلَ الْمَعْدَنَ بِمَنْزِلَةِ الرِّكَازِ فِيهِ الْخُمُسُ"

"عمر ابن الخطابؓ نے معدنیات کو بھی دفینے جیسا قرار دیا ہے۔ جس میں سے خمس نکالنا واجب ہے۔"

(سنن بیہقی جلد ۴۔ صفحہ ۱۵۴)

لیجیے! "ایک نہ شد دو" بلکہ سہ شد!۔ اس لئے کہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں:۔

"فَإِنَّ مَا يَخْرُجُ مِنَ الْبَحْرِ مِنْ حِلْيَةٍ وَالْعَنْبَرِ فَفِيهِ الْخُمُسُ"

"جو چیزیں سمندر سے نکلتی ہیں۔ مثلاً آرائش و زیبائش کی اشیاء، یا عنبر وغیرہ، ان پر خمس واجب ہے۔"

(کتاب الخراج۔ صفحہ ۸۳)

الغرض! غنیمت کے دامن کو چھوٹا کرنے میں بڑی طوالت ہے۔ بلکہ ازحد تجاوز ہے! لٰہذا کمالِ اخلاص سے حقیقت کو مان لینا ہی بہتر ہے اور ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے۔ (خواہ وہ کسی مکتب فقہ سے منسلک ہو) کہ وہ دل و دماغ کی تمام وسعتوں کے ساتھ قانون الٰہی کے ہر تقاضے کے آگے سرِ تسلیم خم کر دے۔

(۱) دیکھئے! قرآن حکیم کا ارشاد ہے:۔

تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ ط

النّسآء۔ آیت: ۹۴

یعنی۔ "اگر تم دنیوی مال و متاع چاہتے ہو تو اللہ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں"۔ اب بتایئے! یہاں غنیمتوں کا مطلب مطلق فائدے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟

(۲) حضور نبیؐ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم فرماتے ہیں۔ غَنِیْمَۃُ مَجَالِسِ الْذِکْرِ الْجَنَّۃُ"
(مسند احمد ابن حنبل۔ جلد ۲۔ صفحہ ۱۷۷) "مجالس ذکر کا فائدہ جنّت ہے"۔ اس حدیث
مُبارک میں غنیمت کا لفظ فائدے کے لیے استعمال ہوا ہے۔

(۳) جناب امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السّلام نے صفّین سے واپس آتے
ہوئے "حاصرین" کے شہر میں اپنے فرزند امام حسن علیہ السّلام کو ایک طویل وصیت نامہ
لکھ کر دیا تھا اس کا ایک جملہ ہے۔ وَاغْتَنِمْ مَنْ اِسْتَقْرَضَكَ فِیْ حَالِ غِنَاكَ"
مقصد یہ کہ۔ "خوشحالی میں اگر تم سے کوئی قرض مانگتا ہے تو اسے غنیمت جانو"

(نہج البلاغہ۔ فہرست وحواشی۔
ڈاکٹر صبحی صالح۔ طبع بیروت ۱۹۷۵ء صفحہ ۳۹۸)

سرکارِ ولایتؑ کے اس ارشاد میں غنیمت سے مراد منفعت ہے۔

(۴) حکیم موذّن کی روایت کے مطابق حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے آیہ مُبارکہ
وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ کے سلسلے میں دریافت کیا گیا کہ یہاں غنیمت کا منشا کیا
ہے؟ امام عالی مقام نے فرمایا "ھِیَ وَاللّٰہِ الْاِفَادَۃُ یَوْمًا بِیَوْمٍ"۔ بخدا۔ روزانہ جو
فائدہ ہوتا ہے اسی کو غنیمت کہتے ہیں۔"

(وسائل الشیعہ۔ شیخ حرّ عاملی رحمہ اللہ۔
کتاب الخمس صفحہ ۳۸۱۔ طبع طہران ایڈیشن ۴)

(۵) معارف اسلامی کی سب سے بڑی درسگاہ نجف اشرف کے مؤسس شیخ الطائفہ محمد ابن الحسن الطوسی نورّ اللہ مضجعہ تحریر فرماتے ہیں کہ "ہمارے تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ تجارت، کاروبار نیز صنعتوں سے حاصل ہونے والے تمام منافع غنیمت ہیں اور آیۂ وافی ہدایہ اَنَّمَا غَنِمْتُمْ .... اس کی روشن دلیل ہے۔"

—— (الخلاف جلد ۲ ۔ صفحہ ۲۱۰)

۵

تفسیروں پر ایک نظر۔!

اکثر علمائے تفسیر نے آیۂ غنیمت کے سلسلے میں بنیادی نکتے کی وضاحت کرنے کے بجائے، تقسیم غنیمت کی تاریخ، تشریع غنیمت کے بارے میں اختلافات کی تفصیل، مالِ غنیمت کے مصارف کی روداد، خمس لینے والے ادارے اور افراد کی بحث نیز اموالِ غنیمت میں حق تصرّف اور پورے اختیارات رکھنے والی شخصیتوں کا حال احوال بیان کرنے میں زیادہ دل چسپی لی ہے!

نیز کچھ مفسر ایسے بھی ہیں جو انفال۔ فئ اور غنیمت پر ایک ساتھ غور کرتے ہیں اور نتیجۃً ایک بات کو دوسری بات میں کچھ اس طرح ملا دیتے ہیں کہ اس میں کئی کئی بل پڑ جاتے ہیں اور پڑھنے والا ذہنی انتشار میں مبتلا ہونے لگتا ہے۔

بہر حال! غنیمت کے حوالے سے بیشتر علمائے تفسیر کا رویہ بھی لغت و فرہنگ والوں کی طرح متوازن نظر نہیں آتا۔ یعنی! یہ بھی لفظِ غنیمت کو دیکھنے کے لیے سیاسی عدسے (LENSES) استعمال کرتے ہیں اور اس کا مطلب بتاتے وقت سخن فہم ہونے کا ثبوت دینے کے بجائے اپنی پسندیدہ شخصیتوں کے طرفدار بن جاتے ہیں۔!

ایک بہت بڑے، نامی گرامی مفسر محمدؐ ابن جریر طبری فرماتے ہیں: "واختلف اھل العلم فی معنی الغنیمة والفئ" "غنیمت اور فئی کے معنوں پر اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔" اس کے بعد طبری مختلف دانش مندوں کے اقوال بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: "اور کچھ لوگ کہتے ہیں: الغنیمة ما اخذ عنوة والفئ مما کان عن صلح،" "کافروں سے جنگ و پیکار کے بعد جو مال ہاتھ لگے وہ تو غنیمت ہے اور صلح کے نتیجے میں جو فائدہ حاصل ہوا سے فئی کہتے ہیں۔

——— (جامع البیان معروف بہ تفسیر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۲)

تفسیر طبری کے حاشیے ہی پر نظام نیشاپوری کی تفسیر غرائب القرآن ہے۔ اس میں بھی یہی تحریر ہے۔ فقال۔ وَاعْلَمُوا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ...... ای الذی حزتم من اموال الکفرة قهراً" "مطلب یہ کہ مسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ جنگ کر کے کافروں کا جو مال تمھیں ملا ہے (وہ غنیمت ہے)

——— (غرائب القرآن۔ حاشیہ تفسیر طبری۔ جلد ۱۰ صفحہ ۳)

امام فخر الدین رازی بھی یہی کچھ فرماتے ہیں: "الغنم، الفوز بالشئ والغنیمۃ فی الشّریعۃ ما دخلت فی ایدی المسلمین من اموال المشرکین علیٰ سبیل القھر بالخیل والرّکاب" "کسی شے کے حصول میں کامیابی کو غُنم کہتے ہیں، اور شریعت میں غنیمت اس مال ومتاع کو کہا جاتا ہے جو مسلمانوں کو لشکرکشی کے ذریعے مشرکوں سے دستیاب ہوا ہو"

———— تفسیر کبیر۔ جلد ۴۔ صفحہ ۱۷۱
(طبع مصر)

نیز قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر "انوار التنزیل" اور عبدالرحمٰن ابن الجوزی نے بھی "زاد المسیر" میں یہی روش اختیار کی ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ جس آیۂ وافی ہدایہ پر گفتگو ہو رہی ہے۔ یعنی سورۂ انفال کی اکتالیسویں[۴۱] آیت وہ جنگ بدر کے موقع پر اور سامان غنیمت کی جمع وتقسیم کے ہنگام نازل ہوئی تھی۔ مگر وقت اور جگہ کے خاص ہونے سے عام زبان تو نہیں بدل جاتی۔! اور جہاں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو وہاں استنباط کی کہاں سمائی ہو سکتی ہے۔؟

ہاں! اس سلسلے میں قرطبی ایک ایسے مفسر ہیں جنہوں نے متانت فکر کے ساتھ لہجے کی صراحت سے بھی کام لیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

الغنیمۃ فی اللغۃ ماینالہ الرّجل	زبان کے لحاظ سے تو انفرادی یا اجتماعی

والجماعة بسعيٍ، والاتّفاق حاصل علیٰ أنّ المراد بقوله تعالیٰ "غَنِمْتُم مِنْ شَئٍ"... مال الکفّار اذا ظفر به المسلمون علیٰ وجه الغلبة و القهر ولا تقتضی اللّغة هٰذا التخصیص، ولکن عرف الشّرع قیّد اللّفظ بهذا النّوع

سعی وکوشش سے حاصل کی ہوئی کسی چیز کو غنیمت کہتے ہیں۔ مگر خداوند عالم کے ارشاد "اِنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَئٍ" ... کے بارے میں سب ہم خیال ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ زور بازو اور نوک شمشیر کے ذریعے جو مال کافروں سے ہاتھ آئے وہ غنیمت ہے۔ حالانکہ یہ بندش ادبی مزاج اور زبان و بیان سے کوئی مطابقت نہیں رکھتی، مگر عرف شرع نے لفظ کو اس طرح سے جکڑ کر رکھ دیا۔

—(الجامع لاحکام القرآن۔ قرطبی جلد ۸ صفحہ ۱)

قرطبی صاحب کہتے ہیں کہ زبان نے تو لفظ غنیمت کو آزاد چھوڑ رکھا تھا۔ مگر عرف شرع نے اسے باندھ دیا اور امام فخر رازی کا بھی قریب قریب یہی موقف ہے۔ ٹھیک ہے جناب! آپ دونوں کی مجبوری قابلِ فہم ہے!

لیکن، کیا قیامت ہے کہ واقعے کے اس رُخ کی طرف، کسی اور صاحبِ فکر کی بھی نظر نہیں گئی کہ علمی قاعدوں کے مطابق کسی حکم یا مفہوم کو محدود کرنے کے لیے واضح دلیل درکار ہوتی ہے اور دلیل نہ ہو تو تحدید و تخصیص ناجائز سمجھی جاتی ہے۔

اچھا! دوسری بات یہ کہ اگر زیر بحث آیت صرف جنگ میں ہمدست ہونے والے فوائد سے وابستہ ہوتی تو پھر اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِنۡ شَيۡءٍ ..... "تم کسی چیز سے جو نفع حاصل کرو" کے بجائے آیت کا انداز یہ ہوتا۔

"اَنَمَاغَنِمۡتُمۡ فِی الحَرۡبِ" - اَوۡ - اَنَّمَاغَنِمۡتُمۡ مِنَ الۡعِدَیٰ"

یعنی لڑائی کے میدان میں اترنے سے تمھیں جو غنیمت ملی ہو - یا - اپنے کس بل پر تم نے دشمنان اسلام سے جو مال حاصل کیا ہو، اس میں خمس ہے - !

اور فرض کیجیے اگر وجوب خمس کے قانون کو صرف جنگی منافع پر نافذ کرنا ہی مقصود ہوتا تو پھر "قرآن حکیم" مِنۡ شَيۡءٍ "کوئی شے" یا "کسی چیز" کہہ کر "دائرہ وجوب کو" اتنا بڑا نہ بناتا۔ وسیع تر مفہوم رکھنے والے لفظوں کا استعمال ہی اس کا ثبوت ہے۔ کہ رزم و بزم، جنگ و امن ہر جگہ، ہر حال میں اور ہر اس شخص کو جو کسی طور، کسی طریقے، کسی سمت اور کسی جہت سے کچھ پائے یا کمائے اُسے خُمُس ادا کرنا پڑے گی۔

یہی وجہ ہے کہ مدرسۂ اہل بیت سے تعلق رکھنے والے مفسّروں نے جہاں غیر مسلموں سے نبرد آزمائی میں دستیاب ہونے والے اثاثے کو غنیمت کی فہرست میں سب سے اوپر جگہ دی ہے، وہاں علمی دیانت داری کے تمام تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے خُمُس کے حوالے سے فائدے کے تمام انواع واقسام پر دو ٹوک گفتگو کی ہے۔

مثلاً - ابو علی فضل ابن حسن طبرسی (متوفی ۵۵۲ھ) اپنی تفسیر میں پہلے عطا سفیان ثوری

اور امام شافعی کے نقطۂ نظر کو پیش کرتے ہیں، پھر اپنے حاصل فکر کا اظہار فرماتے ہیں اور اس کے بعد لکھتے ہیں۔

"وقال اصحابنا أنّ الخمس واجبٌ فی کلّ فائدةٍ تحصل للانسان من المکاسب وارباح التجارة و فی الکنوز ویمکن أن یستدل علیٰ ذلك بهٰذه الآیة، فانّ فی عرف اللّغة یطلق علی جمیع ذلك اسم الغنم والغنیمة"

"ہمارے علماء ارشاد فرماتے ہیں: کہ آدمی خواہ کچھ کمائے، کاروبار سے اسے کسی طرح کا فائدہ پہنچے یا کہیں سے گڑی ہوئی "کھتی" (دفینہ) مل جائے، غرضکہ مستفید ہونے والے کو فائدہ پر خُمس دینا پڑے گی اور آیہ وافی ہذا (وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ) اس کی دلیل بن سکتی ہے۔ کیونکہ اَدبی قاعدے سے تمام مذکورہ فوائد پر غُنم اور غنیمت ہی کا اطلاق ہوتا ہے۔"

— (مجمع البیان جلد ۳ صفحہ ۱۴۹۔ مطبوعہ بیروت)

نیز شیخ ابوالفتوح رازی (متوفّٰی ۵۵۳ھ) اپنی تفسیر میں یہ تصریح کرتے ہوئے کہ کن کن چیزوں پر خُمس واجب ہے، تحریر فرماتے ہیں کہ "یہ سب وہ اشیاء ہیں جو کسی بھی شخص کو مل جائیں تو عرفاً غنیمت کہلائیں گی۔ اس لیے کہ غنیمت ایک عمومیت بداماں لفظ ہے اور اس کا استعمال ہر اس فائدے کے لیے ہوتا ہے جو لوگوں کو میسّر ہو جائے۔

— (تفسیر ابوالفتوح رازی جلد ۵ ۔ صفحہ ۱۴۴)

اسی عنوان سے محمّد ابن شاہ مرتضیٰ، ملقب بہ ملّا محسن فیض کاشانی اپنی مشہور و مقبول تفسیر

الصافی" میں رقمطراز ہیں: "غنیمت سے مراد مقابلے پر آنے والے غیر مسلموں کا وہ مال ہے جو تلوار کے زور سے مسلمانوں کے قبضے میں آجائے، نیز اصول کافی میں حضرت صادق آلِ محمدؐ امام جعفر صادق علیہ السّلام کا یہ ارشاد بھی موجود ہے۔ حضرت فرماتے ہیں: ھی واللہ الافادۃ یومًا بیوم"۔ "قسم بخدا۔ غنیمت سے مراد روزانہ حاصل ہونے والا فائدہ ہے"۔ اور اس کی یہ وضاحت کی گئی ہے کہ جس طرح سے بھی نفع پہونچے وہ غنیمت ہے"۔

(تفسیر صافی صفحہ ۲۰۱)

اصل بات یہ ہے کہ مذکورہ آیت چونکہ جنگ بدر میں اتری تھی اور وہاں مجاہدوں کو جو ساز و سامان ملا وہ اسی آیت کی رو سے غنیمت قرار پایا، نیز عرب معاشرے سے اس وقت تک عہد جاہلیت کے موروثی تصورات کلیتہً محو نہیں ہو پائے تھے اس لیے کافی عرصے اچھے خاصے لوگ بھی اس غلط فہمی کا شکار رہے۔ کہ بس! جنگ میں ملنے والے مال و متاع کو غنیمت کہتے ہیں۔

اور کسی نہ کسی وجہ سے یہ حقیقت سامنے نہ آسکی کہ میدان کارزار کی کمائی کُل نہیں بلکہ غنیمت کی محض ایک صورت اور فائدے کی صرف ایک شکل ہے۔ !اس دنیا میں نہ جانے اور کہاں کہاں لوگ "سوپوں موتی رولتے ہیں"!

علم تفسیر کی روشنی میں اکثر و بیشتر یہ تکنیکی مسئلہ بھی پیش ہوتا رہتا ہے کہ سورۂ انفال کی اکتالیسویں آیت غزوۂ بدر کی غنیمتوں کے بارے میں نازل ہوئی، لہٰذا موقع، محل اور وجہ نزول

کو دیکھتے ہوئے کیوں نا اسے "غنائم حرب" یعنی جنگی فوائد و منافع تک ہی محدود رکھا جائے؟ نفع کی اور مدوں کے واسطے اس میں کوئی گنجائش نہیں! للہذا اب دوسری آمدنیوں پر خمس کے فرض ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔! بجا ارشاد ہے۔! لیکن کیا اس پر غور کر لیا گیا کہ حکم کی نوعیت کیا ہے۔؟ بندہ پرور! حکم عمومیت کا حامل ہے۔ بنابریں آیت کب نازل ہوئی، کیوں نازل ہوئی؟ ان تمام باتوں کی حیثیت اضافی اور ثانوی قرار پاتی ہے، اور ان کے باعث حکمِ عام کو حکمِ خاص میں نہیں بدلا جا سکتا۔

اس کی ایک سے زیادہ مثالیں موجود ہیں۔ نمونے کے طور پر ظہار کے حکم کو لے لیجیے۔

استدلالی فقہ پر قاضی ابو الولید محمد بن احمد اندلسی، مشہور بہ ابن رشد الحفید (متوفی ۵۹۵ھ) کی شہرہ آفاق کتاب "بدایۃ المجتهد ونهایۃ المقتصد" مطبوعہ بیروت میرے سامنے رکھی ہوئی ہے اور اس کی دوسری جلد کے صفحہ ۶۷ پر "کتاب الظہار" میں حکم ظہار کی ساری روداد لکھی ہوئی ہے۔

مسئلے کی وضاحت کے لیے یہ گزارش ضروری ہے کہ اسلام سے پہلے جب عربوں میں "میاں بیوی" کے جھگڑے ہوتے تھے تو بسا اوقات شوہر غصے میں آ کر اپنی شریکۂ حیات سے یہ کہہ دیتا تھا کہ "تم میرے لیے میری ماں کی پیٹھ جیسی ہو" گویا بیوی کو پشتِ مادر سے تشبیہ دے دی اور اس اقدام کو قطع تعلق کا اعلان سمجھا جاتا تھا۔ بس! اسی کو ظہار کہتے ہیں۔ قرآن حکیم کے اٹھاونویں ۵۸ سورے، سورۂ مجادلہ میں ظہار کے پس منظر اور اس کے احکام کا مفصل بیان ہے۔

صاحب "بدایۃ المجتہد" تحریر فرماتے ہیں: اس مسئلے کے دو ماخذ ہیں۔ کتاب اور سنّت قرآن نے ظہار کے بارے میں یہ حکم دیا ہے کہ "جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھیں، پھر جو بات کہہ چکے تھے اس سے رجوع کرنا چاہیں تو قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے سے قریب ہوں، ایک غلام آزاد کرنا پڑے گا۔" ——— (سورۂ مجادلہ۔ آیت: ۳)

اور سنّت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاتون خولہ بنت ثعلبہ نے رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ شکایت کی تھی کہ اس کے شوہر اویس بن الصّامت نے اس سے ظہار کیا ہے۔ لہٰذا ہدایت فرمائی جائے کہ اب وہ کیا کرے؟ (اس وقت تک اس معاملے میں خداوند عالم کی جانب سے سرکار رسالتؐ کے پاس کوئی حکم نہیں آیا تھا)

خولہ کہتی ہے کہ حضور نبّی اکرمؐ مجھے سمجھا بجھا رہے تھے کہ اتنے میں وحی نازل ہوئی اور پروردگار عالم نے ارشاد فرمایا:۔

"(اے رسولؐ!) اللہ نے اس عورت کی بات سُن لی جو اپنے شوہر کے معاملے میں تم سے بحث و تکرار کر رہی ہے اور اللہ سے فریاد کئے جاتی ہے۔ خدا تم دونوں کی گفتگو سُن رہا ہے، وہ سب کچھ سُننے اور دیکھنے والا ہے۔ (مجادلہ آیت: ۱)

نیز اس کے بعد کی آیات میں ظہار کے کفّارے کی تفصیل ہے۔ ایک غلام کی آزادی۔ یہ نہ کر سکے تو لگاتار دو مہینے کے روزے اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو ساٹھ ۶۰ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

الغرض ! آیاتِ ظہار ایک معلوم موقع اور صدرِ اسلام کے دو جانے پہچانے کردارو کے سلسلے میں نازل ہوئی تھیں۔ مگر اس تخصیص کے باوجود حکم کی عمومیّت سے آج تک کسی نے انکار نہیں کیا۔!

ظہار کی جو سزا (کفّارہ) اس وقت خولہ کے شوہر اویس کو دی گئی، وہی اس قسم کے مقدّمے میں ہر جگہ اور ہمیشہ اس نوعیّت کے جرم کا ارتکاب کرنے والے اشخاص کو دی جائیگی۔

جی ہاں ! حکم جب عام ہو تو دلیل کے بغیر نہ وہ مقیّد ہو سکتا ہے اور نہ اسے مخصوص قرار دیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح آیۂ غنیمت کہیں اور کسی لمحے اتری ہو اس میں جو حکم ہے وہ عام ہے اور حکمِ عمومی کو محدود کرنے کا نہ کسی کو حق ہے اور نہ کسی کو اختیار ہے۔

٦

تاریخ کے ورق۔!

اسلام سے پہلے جزیرہ نمائے عرب میں رہنے بسنے والوں کی اکثریت کے لیے جنگ وجدل اور لُوٹ مار ایک معاشی ضرورت بن گئی تھی، مگر رفتہ رفتہ ضرورت عادت میں تبدیل ہوگئی اور عادت نے صدیوں کا سفر طے کر کے ایک قومی ورثے کا روپ دھار لیا۔ اب اسلاف کی روایات اور بزرگوں کے ترکے سے بعد کی نسلوں کو جذباتی نوعیت کا جو لگاؤ ہوتا ہے اور جس طرح وہ اس کا احترام کرتے ہیں اس سے کون واقف نہیں۔؟

عرصہ دراز سے میدانِ کارزار عربوں کے فخر و شرف کا محور تھا۔ ان کی نگاہ میں سب سے بڑی عزّت یہی تھی کہ جانِ عزیز کو پانی کی طرح تلوار کی دھار پر بہا دیا جائے اور جب کھیت پڑے تو فریقِ مخالف کو یوں کاٹا جائے کہ اس کا نام و نشان تک نہ رہے۔

اب سوچیئے! جب ساری قوم کا مشغلہ ہی یہی ٹھیرا کہ بس! لڑتے رہو، جھگڑتے رہو، مارتے رہو، اور مرتے رہو، تو خود بخود چھینا جھپٹی اور لوٹ کھسوٹ ہی معاش کے سب سے نمایاں ذریعے کے طور پر سامنے آئے گی اور قدرتی بات ہے کہ ان کے لحاظ سے آمدنی کے اس معتبر روائتی انداز کو غیر معمولی عظمت بھی حاصل ہوگی۔

علامہ شبلی نعمانی ترقیم فرماتے ہیں:۔

"لڑائیوں کی اصل بنیاد ضرورت سے شروع ہوئی تھی، اسی لیے عرب کے نزدیک مال غنیمت سے زیادہ کوئی شے محبوب نہ تھی اور ذرائع معاش میں سب سے زیادہ حلال وطیّب اسی کو سمجھتے تھے۔ یہ خیال اس قدر دلوں میں راسخ اور رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا کہ اسلام کے بعد بھی ایک مدت تک قائم رہا۔ اور جس طرح شارع نے ممنوعات شرعیہ کو بتدریج حرام اور ممنوع کیا تھا، غنیمت کے متعلق بھی نہایت تدریج اور آہستگی سے کام لینا پڑا۔"

(سیرت النبی جلد ۱ صفحہ ۵۹۷)

قبلاً عرض کیا جا چکا ہے اور سب کو معلوم بھی ہے کہ عرب میں قبائلی نظام رائج تھا۔

نیز ہر قبیلے کا ایک "سرخیل" ہوتا تھا، جسے اپنے حدود میں آمرِ مطلق کی حیثیت حاصل ہوتی تھی اور غیر معمولی اختیارات کے ساتھ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ حقوق اور مراعات سے بھی بہرہ مند ہوتا تھا۔

چنانچہ "لوٹ" میں لوگوں کو جو مال ملتا تھا اس میں سے ایک چوتھائی (ربع) رئیس خاندان کا حق سمجھا جاتا تھا، اور ریاست کے اس حصّے کو مِرْبَاع کہتے تھے۔

فیروز آبادی، "قاموس المحیط" میں لکھتے ہیں: "المرباع بالکسر المکان ینبت نبته فی اوّل الرّبیع و ربع الغنیمة الّذی کان یاخذه الرئیس فی الجاهلیّة"

"مِرباع[1]، میم کے نیچے زیر۔ اُس جگہ کو کہتے ہیں جہاں موسم بہار کے آتے ہی سبزہ لہلہانے لگے، اور غنیمت کے چوتھائی حصّے کو بھی مِرباع کہتے ہیں۔ عہد جاہلیت میں یہ حصّہ قبیلے کا سردار لیا کرتا تھا۔"

— قاموس المحیط فصل الرّاء۔ باب العین۔ جلد ۳۔ صفحہ ۲۵۔ طبع بیروت
مزید حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو۔ نہایہ ابن اثیر۔ جلد ۲۔ صفحہ ۶۲۔ اور
سیرت ابن ہشام جلد ۴۔ صفحہ ۲۴۹۔

مگر اسلام آیا تو اپنے دامن میں دنیا بھر کی اصلاحات بھر کر لایا۔ چنانچہ عربوں کے سب سے محبوب مشغلے جنگ و غارت گری کے بارے میں جو اصلاحی قدم اُٹھائے گئے ان میں

[1] مِرباع بروزن مِسواک

سرفہرست یہ حقیقت تھی کہ ایثار و فدویت کے شستہ و شائستہ جذبوں سے نمود کرنے والے دلیرانہ اقدام کو جہاد کا نام ملا اور اسے عبادت بنا کر باعثِ اجر و ثواب قرار دیا گیا۔ پاک پروردگار اپنی کتاب محکم میں ارشاد فرماتا ہے:۔

وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا

اور جو اللہ کی راہ میں لڑے گا اور مارا جائے گا یا غالب رہے گا اسے ہم ضرور اجرِ عظیم عطا کریں گے۔

(النّساء - آیت: ۷۴۔)

اور اس کے ساتھ ہی جنگ کے تمام پرانے قاعدے، سارے روایتی اسلوب اور جملہ اغراض و مقاصد کو بھی بدل ڈالا گیا۔

سب سے پہلے تو جنگ کا اجازت نامہ ہی جالبِ توجہ ہے۔ خداوند عالم نے اس عنوان سے اذن و غامرحمت فرمایا ہے۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ۝ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ

جن لوگوں کے خلاف جنگ کی جارہی ہے ان کو اس لیے لڑنے کی اجازت دے دی گئی۔ کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دئے گئے۔ صرف اس بنا پر کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا ربّ اللہ ہے۔"

(الحج - آیت: ۳۹ - ۴۰)

اذنِ جہاد میں امّت مسلمہ کو یہ نظریہ دیا گیا ہے کہ ظالم کو مشقِ ستم سے روکنے کے لیے مظلوم طبقہ، "قانونِ حرب و ضرب" کو حرکت میں لا سکتا ہے۔

سورۂ بقرہ میں جہاد کا حکم دیتے ہوئے خلّاقِ عالم نے اندازِ جنگ کو یوں واضح فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:-

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ٥	تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔ مگر زیادتی نہ کرنا۔ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

(البقرہ - آیت : ۱۹۰)

یہ آیۂ وافی ہدایہ بڑی صراحت سے کہہ رہی ہے کہ جنگ کو صرف دفاعی ادارے کے طور پر استعمال کرنا چاہیے، اور اس میں انتقامی جذبے سے مغلوب ہو کر حدود سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں۔ بلکہ مجاہد کے ہر نَفَس میں یہ احساس کروٹیں لیتا رہے کہ "تیغ و گلو" کا یہ معرکہ اللہ اور صرف اللہ کے لیے ہے۔ —— ایک اور آیۂ مبارکہ میں جہاد کو جفادیدہ، ستم رسیدہ، بے آسرا اور بے سہارا انسانوں کو سفّاک اور خون آشام عناصر کے قہر و استبداد سے بچانے اور ان کی مدد کو پہونچنے کا ایک ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ خداوند عالم کا فرمان ہے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ	آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس

اللهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝

مردوں، عورتوں اور بچّوں کی خاطر نہ لڑو، جو کمزور پاکر دبا لئے گئے ہیں، اور فریاد کر رہے ہیں کہ، بارالٰہا! تو ہم کو اس بستی سے نکال؛ جس کے باشندے ظالم ہیں۔ اور اپنی طرف سے تو کسی کو ہمارا حامی اور مددگار بنادے۔

(سورۂ نسآء - آیت: ۷۵)

اسی عنوان سے جہاد کو امن وامان برقرار رکھنے اور دین حق کے قیام وبقا کا ایک وسیلہ قرار دیا گیا ہے. کلام الٰہی کی آیت ہے۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ

تم ان سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے۔

(بقرہ - آیت: ۱۹۳)

دیکھا آپ نے! قتل وغارت، وحشت وبربریت، عداوت وشقاوت اور جور وتعدّی سے بھرپور عہد جاہلیّت کی انسانیّت سوز جنگ کو اسلام نے اپنے ہمہ گیر انقلاب کے ہاتھوں فرزندان آدم کی آزادی، معاشرتی فلاح، امن وعافیت کی بحالی، نظام زندگی کے ارتقاء، عقائد ومسلّمات کے تحفّظ اور حکومت الٰہیّہ کے دوام واستحکام کا ایک نہایت دل آویز، فکر انگیز اور حاصل خیز ادارہ بنادیا۔

اب جس طرح شارع مکرّم نے پرانی جنگ و جدل کے تمام طور طریقوں کو سرے سے بدل کر رکھ دیا، اسی طرح غنیمت کے تصوّر اور اس کی تقسیم کے فلسفے کو بھی ایک بالکل نیا سانچہ مرحمت فرمایا۔

اس ضمن میں پہلا مرحلہ تو یہ آتا ہے کہ غنیمت کے لالچ میں لڑنے کی حوصلہ شکنی کی گئی اور ایک مردِ مؤمن کے لیے اس مادّی جذبے کو کوئی پسندیدہ کیفیت نہیں سمجھا گیا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے :۔

تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ	"تم لوگ دنیا کے فائدے چاہتے ہو، حالانکہ اللہ کے پیش نظر آخرت ہے۔"

(انفال۔ آیت : ٦٧)

ایک شخص نے سرکارِ رحمۃٌ للعالمینؐ کی خدمت اقدس میں عرض کی۔ "حضور! کوئی نام و نمود کے لیے لڑتا ہے۔ کوئی اپنا لوہا منوانے کے لئے میدان میں اترتا ہے۔ یہ فرمایئے، کہ کس کی نبرد آزمائی "جہاد فی سبیل اللہ" سمجھی جائے گی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا۔

"من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا" اس کی جنگ جو محض اس نیّت سے لڑتا ہے کہ بس! اللہ کی بات اُونچی ہو۔"

(صحیح بخاری۔ کتاب الجهاد۔ اور صحیح مسلم کتاب الامارہ)

اس کے بعد دوسری منزل یہ کہ غنیمت میں ریاست کا جو حصّہ تھا اس میں بھی نہایت اہم تغیّرات عمل میں لائے گئے۔ ایک تو یہ کہ ربع کو خُمس بنا دیا گیا یعنی رقم یا حصّے کی مقدار کو پچیس[25] فی صد سے کم کر کے بیس[20] فی صد کر دیا گیا۔

اور دوسرے یہ کہ پہلے صرف ایک حصّہ تھا اور وہ پورے کا پورا قبیلے کے سربراہ کو دے دیا جاتا تھا۔ لیکن قرآن مجید نے خمس کے چھ[6] حصّے مقرر کیے اور شریعت اسلامیہ نے ان حصّوں کے مصارف بھی متعیّن فرمائے۔

۷

خمس کی سرگزشت :-

جس طرح غنیمت کی تفسیر وتشریح سے بعض حلقۂ فکر ونظر کو مطمئن نہیں کر پاتے اسی طرح کچھ لوگوں کے کارن خمس کی تاریخ بھی "خواب پریشان" بن کر رہ گئی۔! ملاحظہ فرمایئے! مفسرین کی اکثریت کہتی ہے کہ غنیمت کی تقسیم کا کام "آیت کے اُترتے ہی جنگ بدر میں شروع ہوگیا تھا۔ مگر تاریخ لکھنے والوں میں خاصا اختلاف ہے۔

(۱) ابن کثیر کہتے ہیں کہ، رجب ۲ھ میں جنگ بدر سے دو مہینے پہلے سریۂ عبداللہ بن جحش میں رسولؐ مقبول نے مالِ غنیمت بانٹنے سے پہلے خُمس الگ کرلی تھی۔

— (سیرت ابن کثیر۔ جلد ۲۔ صفحہ ۳۶۷)

(۲) نظام نیشاپوری فرماتے ہیں: واقدی کے بیان کے مطابق ہجرت کے واقعے

کو بیس[۲۰] مہینے ہوئے ہوں گے اور شوال کی کوئی چودہ[۱۴]، پندرہ[۱۵] تاریخ ہو گی یعنی اِغزوۂ بنی قینقاع میں سب سے پہلے، خُمس لی گئی۔

—(تفسیر غرائب القرآن۔ جلد ۱۰ صفحہ ۳)

(۳) ابن اسحٰق کے حوالے سے ابوالفداء اسمٰعیل ابن کثیر رقمطراز ہیں کہ، پہلی بار "جنگ خندق" کے خاتمے پر غزوۂ بنی قریظہ میں خمس کے حکم کا نفاذ ہوا۔

—(السیرۃ النبویہ۔ ابن کثیر، جلد ۳ صفحہ ۲۴۲)

(۴) اور بعض لکھنے والوں کے مطابق قانون خُمس کا عملی اجراء شوال ۸ھ "جنگِ حنین" میں ہوا۔

—(طبقات ابنِ سعد۔ صفحہ ۱۱۰)

(۵) مگر بخاری، مسلم، ابن حجر عسقلانی، قرطبی اور ابن کثیر جیسے بڑے مرتبے کے محدث مفسر اور سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ خُمس کی آیت میں جو حکم ہے اس پر جنگ بدر ہی میں عمل درآمد ہوا۔ چنانچہ یہ تمام علماء اپنے اپنے مجامع میں حضرت علیؑ ابن ابی طالب علیہ السّلام کا یہ ارشاد حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام (علی ابن الحسینؑ) اور جناب عبداللہ ابن عبّاس کی زبانی یوں بیان کرتے ہیں، اور اس حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ بدر میں سرکار رسالتؐ نے خمس لی تھی اور جو اس کے حقدار تھے انھیں دی تھی۔

جناب ولایت مآب حضرت علی ابنِ ابی طالب علیہ السّلام ارشاد فرماتے ہیں "پیغمبرؐ ختمی مرتبت نے بدر کے دن خُمس کے حصے میں سے مجھے ایک ناقہ مرحمت فرمایا تھا۔"

______ صحیح مسلم جلد ۳۔ صفحہ ۱۵۶۸۔ سیرت ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۴۶۹ ۴ صحیح بخاری۔ کتاب فرض الخمس، جلد ۴۔ صفحہ ۹۵ فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۱۳۵ تفسیر قرطبی جلد ۸ صفحہ ۱

بلکہ جناب امیر علیہ السّلام نے تو تاریخ خُمس کے سلسلے میں ایک اور انکشاف فرمایا ہے۔ ابنِ عساکر اپنی وقیع تصنیف الصّحیح من سیرۃ النبیؐ میں لکھتے ہیں کہ:

"علی ابن ابی طالب نے "احتجاج کے دن" اپنے امتیازات کی یاد دہانی کراتے ہوئے فرمایا تھا۔ لوگو! خدا کو گواہ کر کے بتانا سوائے میرےؑ اور فاطمہؑ کے تم میں کوئی ایسا آدمی ہے جس نے خاندانِ رسالتؐ کے دوسرے افراد کے قبول اسلام سے بھی پہلے رسولؐ مقبول کے ساتھ خُمس لی ہو۔؟"

______ سیرۃ النبیؐ۔ ابن عساکر۔ جلد ۳۔ صفحہ ۲۲۸)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ خُمس کے قانون کا نفاذ بعثت کے ابتدائی دور، مکّہ معظمہ میں اور جناب سیّدہ عالمؑ کی ولادتِ باسعادت کے کچھ عرصے بعد ہی ہو گیا تھا۔ ہوسکتا ہے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا

کے اموال سے پہلے جناب امیرؑ اور بعد ازاں جناب فاطمہؑ کو خُمس عنایت فرمائی ہو۔

اور اس کا بھی امکان ہے کہ سرکارِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے قرآن حکیم کے اس حکم کی تعمیل میں یہ اقدام فرمایا ہو جو اس آیۂ وافی ہدایہ کے ذریعے دیا گیا تھا۔

وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ۔	اور رشتے داروں کو ان کا حق دے دو نیز مسکین اور مسافروں کو ان کا حق ادا کرو۔

——— (سورۂ بنی اسرائیل۔ آیت: ۲۶)

خیال رہے کہ یہ آیت مکّی ہے اور جس سورۂ مبارکہ کی یہ آیت ہے وہ بھی مکّے میں نازل ہوا تھا۔

بہرکیف! یہ خُمس کی سرگزشت کا آخری ورق نہیں بلکہ ایک حقیقت اس سے بھی اور آگے نظر آتی ہے۔

علّامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبیؐ میں تحریر فرماتے ہیں۔ "ابن النّدیم نے لکھا ہے کہ میں نے مامون الرّشید کے کتب خانہ میں ایک دستاویز دیکھی تھی جو عبد المطّلب ابن ہاشم (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم) کے دادا کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی۔ اس کے یہ الفاظ تھے۔

حقّ عبد المطّلب بن هاشم بن اهل مكّة على فلان بن فلان الحميري من اهل صنعا عليه	یہ عبد المطلب بن ہاشم (جو مکّے کا باشندہ ہے) کا قرضہ فلاں شخص پر ہے۔ جو صَنعَا کا رہنے والا ہے۔ یہ چاندی کے

الف درهم فضة كيلاً بالحديدة ومتى دعاه بها اجابه، شهد الله والملكان

ہزار درہم ہیں۔ جب بھی (یہ قرضہ) طلب کیا جائے گا۔ وہ ادا کرے گا۔ خدا اور دو فرشتے اس کے گواہ ہیں۔

——— (سیرۃ النبیؐ۔ جلد ۱ صفحہ ۱۷)

ابن ندیم کی یہ تاریخی اور تحقیقی بات لکھنے کے بعد شبلی صاحب فرماتے ہیں کہ:

"اس دستاویز سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبد المطلب نے کسی حمیری شخص کو ہزار درہم قرض دئے تھے۔ خاتمے میں دو فرشتوں کی گواہی لکھی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں فرشتوں کا (اور شاید کرام کاتبین کا) اعتقاد موجود تھا۔"

——— (سیرۃ النبیؐ۔ جلد ۱ صفحہ ۱۷)

یہ ٹھیک ہے کہ شبلی صاحب نے اس تاریخی وثیقے کا تذکرہ محض یہ بتانے کے لیے کیا ہے کہ عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج نہیں تھا۔ لیکن قریش نے جب عروج حاصل کیا تو نوشت و خواند کا سلسلہ بھی شروع ہوا، اور جناب عبد المطلب کی تحریر اس کا ثبوت ہے۔

مگر شبلی صاحب اس دستاویز کے بارے میں اگر یوں تبصرہ کرتے تو کتنے اچھے لگتے! کہ جزیرہ نمائے عرب میں تعلیم کی رفتار یہ تھی کہ بعثت کے وقت تک صرف سترہ۱۷ نیم خواندہ آدمی پیدا ہو سکے تھے!

لیکن حضور نبی کریمؐ کے جدّ امجد جناب عبد المطّلب اس تاریک دور میں بھی نہ صرف یہ کہ "لوح وقلم" کی لاج رکھے ہوئے تھے بلکہ دل کی بات کو نقشِ تاریخ بھی بناتے رہتے تھے۔ انہیں اللہ پر ایمان تھا۔ وہ اُسے حاضر وناظر بھی جانتے تھے، خدا کو اپنی زندگی کے ہر عمل کا گواہ قرار دیتے تھے۔ نیز اس کے فرشتوں کے وجود پر بھی اعتقاد رکھتے تھے اور یہ نوشتہ ان کے "عقیدۂ توحید" کا تحریری اظہار ہے۔ جو قیامت تک آسمانی مذاہب پر بحث و تحقیق کا کام انجام دینے والوں کی رہنمائی کرتا رہے گا۔

آفریدگار مطلق نے جناب عبد المطّلبؑ کی پشتِ مُبارک کو نورِ رسالتؐ کا مستقر بنایا۔ آپ حد درجہ خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ دین حنیف اور مسلکِ ابراہیمیؑ کے داعی تھے۔ آپ کی خلوص میں جھلی ہوئی ادائیں اللہ کو بہت محبوب تھیں۔ خمس بھی جناب عبد المطّلبؑ کا ایک خدا پسند کارنامہ ہے۔

سرکار خاتم الانبیاء صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے مولائے متقیان جناب امیرالمومنین علیہ السّلام سے اپنی ایک وصیّت میں اس حقیقت کا انکشاف فرمایا ہے۔ یہ حدیث مختلف مجامع میں موجود ہے۔

خصائل صدوق کے صفحہ ۳۱۲ پر یوں مسطور ہے۔ "حمّاد ابن عمر، حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے اور صادق آل محمدؑ اپنے آباء واجداد سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضور پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ ابنِ ابی طالب سے وصیّت کرتے ہوئے فرمایا۔"

حدائقؔ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ لیکن متن حدیث کو الشیخ محمد ابنِ الحسن الحُرّ العاملی کی بیش بہا کتاب وسائل الشیّعہ سے اور ثامن الآئمہ حضرت امام رِضا علیہ السّلام نے اپنے اجداد کرام کے حوالے اور سند سے جس طرح بیان فرمایا ہے ہم اس مفہوم کو اپنی زبان میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں

عیون الاخبار میں ہے کہ احمد بن الحسین القطّانؔ، احمد بن محمد بن سعید الکوفیؔ سے، وہ علی بن الحسن بن علّی بن فَضّال سے اور وہ اپنے والد کے واسطے سے حضرت ابوالحسن الرّضا علیہ السّلام کی زبانی ایک حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت نے فرمایا:-

جناب عبد المطلّبؑ نے پانچ سنتّیں قائم کی تھیں، خداوند عالم نے ان سنّتوں کو اسلام میں بھی جاری فرمادیا۔

(۱) آپ نے باپ کی بیویوں کو بیٹوں کے لیے حرام قرار دیا۔

(۲) قتل کی دیتؔ سَو اونٹ مقرر کی۔

(۳) خانۂ کعبہ کے طواف کے سلسلے میں سات "دَور" یا پھیروں کی حد معیّن فرمائی۔

(۴) جناب عبد المطلّبؑ کو کہیں سے ایک خزانہ دستیاب ہوگیا تھا تو اس میں سے آپ نے خُمسؔ نکالی۔

(۵) آپ نے چاہِ زمزم کی جب دوبارہ کھدائی کی تو اسے سِقَایَۃُ الْحَاج یا

"آب دار خانۂ زوّار حرم" کا نام دیا۔

"(وسائل الشیعہ، کتاب الخمس جلد ۶ صفحہ ۳۴۶)"

اور اللہ کے آخری دین، اسلام نے عبد المطلبؑ کے ان آثار جلیلہ کو قانونی شکل دے کر انھیں حیات جاوداں بخش دی۔

۸

پھر اس کے بعد ــــــــــ؟

حضور خاتم الانبیاءؐ کے عہد پر نور میں خمس کا مسئلہ معمّے کی طرح دشواری سے حل ہونے والی کوئی چیز نہیں، بلکہ سامنے کی بات تھی! ایک واجب التعمیل مالیاتی قانون کے طور پر عوام اس سے مانوس تھے اور جن افراد کو دوسرے فرائض کی طرح تفصیلات سے آگاہی مقصود ہوتی تھی وہ اپنی سہولت کے لحاظ سے یا تو سرکار ہادئ برحقؐ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے اور یا پھر حضورؐ سے جی بھر کر مستفیض ہونے والے اصحاب میں سے کسی صحابی سے رجوع کرتے تھے اور صحابۂ کرام پوچھنے والوں کو بڑی برجستگی اور نہایت بے ساختگی سے جواب دے کر مطمئن کر دیا کرتے تھے۔ مثلاً بزرگ صحابی جناب جابر ابن عبداللہ انصاری کا یہ جملہ بڑی شہرت رکھتا ہے۔

"مَاوجد من الغنیمة ففیهما الخمس"۔ یعنی۔ "ہر طرح کی آمدنی پر خُمس واجب ہے"۔

علاوہ ازایں سرکار رحمۃٌ للعالمیںؐ نے فقہی معلومات کو عام کرنے کا کچھ اس طرح بندوبست فرمایا تھا کہ وسائل کی کمی کے باوجود، قلیل مدّت میں، دور سہی، مگر عربستان کے ہر حصّے اور ہر علاقے کے باشندوں تک کام کی بات پہونچ جائے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جوں ہی رسالتؐ کا سورج ابھرا، روشنی پھیلی، لوگ اندھیروں سے نکل کر اُجالے میں آنے لگے۔ چنانچہ عرب کے ایک نہایت قدیم، متمدن اور سرسبزو شاداب ملک "یمن" کے باسیوں کا ایک وفد پیغمبر اکرمؐ کی خدمت اقدس میں باریابی کا شرف پاکر اسلام کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔

حضور خاتم الانبیاؐ اس علاقے کے لئے ایک عہدہ دار کا تقرر فرماتے ہیں۔ جن بزرگ کو یہ ذمّہ داری سونپی گئی ان کا نام تھا عمرو ابن حزم انصاری خزرجی۔ آنحضرتؐ نے عمرو ابن حزم کو تقرّری کی سند دے کر روانہ فرمایا۔[ے]

رسالت مآبؐ نے جو وثیقہ (DOCUMENT) ——— عطا فرمایا تھا اس کا خلاصہ یہ ہے: ———

ے یہ وفد یمن کے مشہور قبائل بنوالحرث بن کعب کا تھا اور حضور رحمت دو عالمؐ نے ان ہی کو یہ فرمان ارسال کیا تھا۔

——— (الوثائق السیاسیہ۔ ڈاکٹر حمید اللہ صفحہ ۱۰۶)

پیغمبر کریمؐ نے اپنے فرستادہ شخص کو زندگی کے تمام رویّوں اور جملہ اعمالِ حیات میں تقویٰ اور پرہیزگاری کی ہدایت فرمائی ہے۔

یمن والوں کے لیے کچھ "رہنما اصول" زیب قرطاس ہیں۔

سرورِ کائناتؐ نے عَمرو ابن حَزم کو حکم دیا ہے کہ جہاں ان کی تعیناتی عمل میں آئی ہے وہاں لوگوں کو کاروبار سے جو فائدہ حاصل ہو اس میں سے خُمُس وصول کریں۔

اسی طرح قواعد و ضوابط کے مطابق زکوٰۃ لینے کی بھی تاکید ہے۔

خمس سے متعلق حکم کا یہ جز و یا فرمان کی عبارت کا یہ فقرہ قابلِ توجہ ہے۔ وَأنْ یَاخُذَ من المَغَانِمِ خُمُسَ اللهِ" عمرو ابن حزم کو چاہئے کہ مغانم (منافع) میں سے خمس جو اللہ کا حصہ ہے وصول کرلیں۔

——— (فتوح البلدان بلاذری جلد ا صفحہ ۸۴

سیرت ابنِ ہشام جلد ۴ صفحہ ۲۶۵)

اب یہ ارشاد کتنا صاف اور واضح ہے۔ یمن میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی تھی، اہلِ یمن سوئی کے لگے تو مسلم تھے اور کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ لہٰذا "خمس مغانم" کا مطلب و منشاء کاروبار سے ہمدست ہونے والے شخصی اور انفرادی فائدے میں سے پانچویں حصّے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟

" قحطانی نسل " سے تعلق رکھنے والے قضاعہ شاخ کے دو قبیلوں سعد ہذیم اور

جُذام کے نام بھی حضورؐ نے ایک ہی مضمون کا فرمان صادر فرمایا تھا۔ یہ قبائل بھی بالکل تازہ مسلمان تھے اور اس وقت تک اسلام کے لیے کسی معرکے میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ رحمتِ عالم کے ہدایت نامے کو اُبَیؓ اور عَنبَسَہ نے پہونچانے کی سعادت حاصل کی۔

اس مقدس دستاویز میں بھی یہی ارشاد ہوا ہے کہ "جن قبیلوں سے خطاب ہے، انھیں چاہیے کہ ہمارے روانہ کئے ہوئے اشخاص یا جنھیں یہ اپنی طرف سے بھیجیں انھیں صدقات اور خُمُس ادا کر دیں۔

(طبقات ابن سعد جلد ا۔ صفحہ ۲۳-۲۴
الوثائق السیاسیہ صفحہ ۱۵۷)

اسی طرح ۹ھ میں تہامہ سے کوچ کر کے بحرین میں آ کر آباد ہونے والے قبیلہ رَبیعَہ کی ایک شاخ عبدُالقیس کا ایک نمائندہ وفد سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ کی زیارت کو حاضر ہوا اور عرض کی، "ہمارے اور آپ کے درمیان قبیلہ مُضَر کے مشرک حائل ہیں جن سے ہمیں ہر وقت خطرہ لاحق رہتا ہے۔ اس لئے بس! ان مہینوں کے علاوہ جن میں جنگ بند رکھنے کا دستور ہے ہم آستانِ قدس تک نہیں پہونچ سکتے! بنابریں، حضور! کچھ ایسی ہدایات مرحمت فرمادیں کہ ان پر عمل درآمد سے ہمیں جنت کا راستہ مل جائے!"

سرتاجِ انبیاؐ نے ارشاد فرمایا: "چار باتوں پر عمل کرنے کا حکم دیتا ہوں اور چار چیزوں

سے بچنے کی ہدایت کرتا ہوں۔ اللہ پر ایمان رکھو۔ نماز قائم کرو۔ زکوٰۃ دو، اور اپنی آمدنیوں سے خمس ادا کرتے رہو۔" ؎

(صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۶۲ مطبوعہ لاہور،
صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۳۵، سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۳۳۳،
مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۳۱۸ اور
کتاب الاموال۔ ابو عبید القاسم صفحہ ۱۲)

اب جو لوگ عام دنوں میں دشمن کے خوف سے اپنی بستی کے باہر قدم نہ رکھ سکتے ہوں۔ رسول کریمؐ ان سے جنگ میں حاصل کئے ہوئے مالِ غنیمت کی خُمس طلب فرمائیں گے۔؟

لہٰذا یقینی طور پر سرکارِ رسالتؐ کے ارشاد گرامی "وتعطوا الخمس من المغنم"۔ یا وان تودوا خمس ما غنمتم" میں خمس سے مراد صنعت و حرفت اور تجارتی کاروبار سے دستیاب ہونے والے نفع کا پانچواں حصّہ ہی ہے۔

اس سلسلے میں وہ لوگ بھی خاصے نمایاں نظر آتے ہیں جو شروع ہی سے از خود اس قانون کے تقاضوں کو پورا کر رہے تھے۔

؎ آمرکم باربعٍ وانھاکم عن اربعٍ، آمرکم بالایمان باللہ.... واقام الصَّلٰوۃ وَ اِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ وتعطوا الخمس من المغنم نیز امام بخاری اور ابو عبید کے مطابق وان تودوا خمس ما غنمتم۔

تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ "قبیلۂ حمیرَ" کے اعیان واشراف کی جانب سے ان کا نمائندہ مالک ابن مُرار الرّہاوِی ایک عریضہ لے کر پیغمبر خاتم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا رسول مقبولؐ نے قبیلے کی سر برآوردہ شخصیتوں اور عَبدِ کُلاَلُ کے فرزندوں، شُرجیل، نُعیم، حارِث اور ہمدان کو جواب عنایت فرما کر بڑا شرف بخشا۔ اس مکتوب عالی میں آنحضرتؐ نے ان لوگوں کی توصیف فرمائی ہے کہ انھوں نے خُمُس ادا کر دی۔ حضور انورؐ نے جو تحریر ارسال فرمائی تھی اس کا ایک جملہ یہ ہے "فقد رجع رسولکم واعطیتم من المغانم خمس اللہ عزّ وجلّ وما کتب علی المؤمنین"، یعنی! تم نے جس آدمی کو بھیجا تھا وہ واپس چلا گیا، تم نے خدا کی خُمُس دے دی اور ایمان والوں کے جو "مالی فرائض" ہیں وہ ادا کر دئے۔

——— (تاریخ ابن عساکر جلد ۶ صفحہ ۲۷۳۔ سنن بیہقی جلد ۴۔ صفحہ ۸۹ کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۸۶)

مذکورہ حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ نبوّی میں دوسرے احکام کی طرح ہر طرف اس مالی عبادت کے بھی چرچے تھے۔ آنحضرتؐ اپنے فرامین، میں خصوصیت سے خُمُس ادا کرنے کی ہدایت فرماتے۔ اسلامی ریاست کی جانب سے محصّل بھیجے جاتے، لوگ از خود کمال شوق سے اپنے واجبات ادا کرتے، پیغمبر اکرمؐ ان کے جذبات کو سراہتے نیز مالِ خُمُس پہونچنے پر اس کے وصول ہونے کی اطلاع سے بھی شرفیاب فرماتے تھے۔

آگے چل کر ہم بتائیں گے کہ کس طرح لینے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا اور بڑوں بڑوں

کی خواہش ہوتی تھی کہ انھیں بھی اس مد سے کچھ مل جائے۔

مگر حضورؐ کی رحلت کے بعد اللہ جانے خُمس کو کس کی نظر کھا گئی! کہ جس بات کا گھر گھر چرچا تھا۔ گلی گلی تذکرے تھے، جو مسئلہ سرمایہ داروں پر چھایا ہوا تھا اور سرمایہ کاروں کے دل و دماغ میں سمایا ہوا تھا۔ وہ مسئلہ۔ ! جو قافلوں قافلوں چلتا تھا اور منزل منزل بڑھتا تھا۔ آہ! اسے ایسا بھلایا گیا جیسے یہ یاد رکھنے کے قابل ہی نہ تھا۔!

واقعات کے مجموعوں میں بہت ڈھونڈھنے سے گنتی کے چند مقامات پر اس کا تذکرہ ملتا ہے۔

ایک موقع تو وہ ہے جب سرکار ختمی مرتبتؐ کی صاحبزادی، خاتون جنّت حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا، اپنی وراثت اور استقرار حق کے حوالے سے اسلامی فقہ کے ایک بڑے اور بنیادی ماخذ "سنّت رسولؐ" کو تحفظ دلانے اور قرآن حکیم کے ایک نہایت واضح حکم کی جانب قانون داں حلقوں کو متوجہ فرمانے کے لیے اس وقت کی عدالت عالیہ کا رخ کرتی ہیں اور اسی دوران آپ آیہ وافی ہدایہ وَاعْلَمُوٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ [1] سے استدلال کرتے ہوئے خمس کا بھی مطالبہ فرماتی ہیں۔

(تاریخ الاسلام ۔ ذہبی ۔ جلد ا صفحہ ۳۴۷ —
کنز العمّال شیخ علی متقی جلد ۵ صفحہ ۳۶۷)

---

[1] سورہ انفال ۔ آیت: ۴۱

بہر کیف ! عرصہ دراز اور کافی دور دور تک اس مقدّمے کی گونج سنائی دیتی رہی۔ ! اور پھر بات ختم کر دی گئی —— !

نیز بعد ازاں پتہ چلا کہ حکومت نے معاشی مسائل کا ازسرِ نو جائزہ لے کر مالیات کی ایک نئی پالیسی وضع کر دی اور اسی بنا پر خُمس کے قواعد و ضوابط میں بھی کچھ ترمیم ہوئی اور کچھ اضافہ کیا گیا اور اس ردّوبدل کے نتیجے میں ذوی القربیٰ (خاندانِ رسالتؐ) کا جو حصّہ تھا اسے وزارتِ دفاع کے لیے مختص کر دیا گیا۔

(تاریخ الاسلام۔ ذہبی جلد ۱ صفحہ ۳۴۷

کنز العمّال۔ شیخ علی متقی جلد ۵ صفحہ ۳۶۷

تفسیر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۶)

لیکن کتابوں کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک یہ واقعہ بھی نگاہ سے گزرتا ہے اور واقعہ نگار ہیں، مشہور مفسّر، فقیہ اور مورّخ محمد بن جریر بن یزید بن کثیر طبری۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدّیق نے یہ وصیّت فرمائی تھی کہ ان کے سارے مال میں سے خُمس ادا کی جائے۔ طبری کے الفاظ یہ ہیں :-

اوصیٰ ابوبکر رضی اللّٰہ عنہ	ابوبکر رضی اللّٰہ عنہ نے وصیّت فرمائی
بالخمس من مالہ وقال الأارضیٰ	کہ ان کے مال میں سے خُمس دی جائے
من مالی بما رضی اللّٰہ لنفسہ	اور کہا کہ "جس سے خدا خوش ہو اپنے

مال میں سے میں وہ دے کر کیوں نہ خوش ہوں"۔

(تفسیر طبری۔ جلد ۱۰ صفحہ ۳۔
مطبوعہ، دار المعرفہ۔ بیروت)

نیز مُصنَّف عبد الرزّاق میں ہے کہ یہ فرماکر حضرت ابو بکر نے آیۂ مبارکہ وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ...... بھی پڑھی۔!

(مصنّف، عبد الرزّاق جلد ۹ صفحہ ٦٦)

اس کے علاوہ تلاش و جستجو کی راہ میں ایک اور جگہ نظر رُکتی ہے۔ یہ "بابِ مدینۃ العلم" حضرت علی مرتضیٰؑ اور آپ کے شاگرد رشید جناب عبد اللہ بن عباسؓ کے چند تاثرات ہیں۔ عہدِ فاروقی کی بات ہے۔ خلیفۂ ثانی جناب عمر بن الخطابؓ، بنو ہاشم کو خمُس میں سے کچھ دینا چاہتے ہیں۔

مگر حضرت امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ ارشاد فرماتے ہیں:

"فابی أن یعطینا کلّہ فابینا علیہ اِلّا کلّہ"

حکومت کی جانب سے خمُس کی پیش کش کے جواب میں ہم نے کہا: "ہم لیں گے تو اپنا پورا حصّہ لیں گے، ورنہ کچھ نہیں لیں گے، عمر بن خطّاب نے ہمارا پورا حق دینے سے انکار کردیا"۔

اور جناب عبد اللہ بن عبّاس کہتے ہیں: "فرأیناہ دون حقنّا فرددناہ علیہ

وابينا أن نقبله"۔ يا ۔ فتركناه عَلَيْهِ"۔ جو وہ دے رہے تھے وہ ہمارے مسلّمہ حق سے کم تھا، یا اس کے مطابق نہیں تھا اس لئے ہم نے ان کی تجویز مسترد کر کے کچھ قبول نہیں کیا۔"

—— امسند احمد بن حنبل، جلد ا صفحہ ۲۲۴ - ۳۲۰

سنن بیہقی، جلد ۶ صفحہ ۳۴۴ - ۳۴۵،

سنن نسائی، جلد ۲ صفحہ ۱۷۷

کتاب الخراج امام ابو یوسف، صفحہ ۲۳ - ۲۴

اور کتاب الاموال ابو عبید، صفحہ ۳۳۳)

اور ۲۴ھ کے بعد پھر ایک مرتبہ خُمس کا معاملہ وقت کے جریدے پر شہ سرخی بن کر ہر فکر و ذہن کو متوجہ کرتا ہے۔

یہ وہ ہنگام ہے جب فتوحات اپنے شباب پر تھیں۔ کاروبار میں بڑی برکت تھی، ہر جگہ ہُن برس رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اسلام کی اقتصادی "حکمت عملی کے لیے بھی نئے نویلے سانچے بنائے جا رہے تھے۔ اگر پھر وہی بات۔ کہ اس دفعہ بھی خُمس کا مسئلہ زد میں آ گیا!

اس سلسلے میں ابن اثیر جزری جیسے مورّخ کی تحقیق اور دانشمند گرامی سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کے رشحات قلم سے بعض حقیقتیں سامنے آئی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

" عبداللہ بن ابی سَرح افریقہ کا خُمس مدینے لائے اور

مروان بن الحکم نے اسے پانچ لاکھ دینار میں خرید لیا

پھر حضرت عثمانؓ نے یہ قیمت اس کو معاف کر دی۔ یہ بھی ان امور میں سے ہے جن کی وجہ سے حضرت عثمانؓ پر اعتراض کیا جاتا تھا، افریقہ کے خمس کے معاملے میں جتنی روایات بیان کی جاتی ہیں، یہ روایت ان میں سب سے زیادہ درست ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے افریقہ کا خمس عبداللہ ابن سعد کو دے دیا تھا اور بعض دوسرے لوگ بیان کرتے ہیں کہ مروان بن حکم کو عطا کر دیا تھا۔ اس روایت سے حقیقت یہ ظاہر ہوئی کہ حضرت عثمانؓ نے افریقہ کی پہلی جنگ کا خمس عبداللہ بن سعد کو عطا کیا تھا، اور دوسری جنگ جس میں افریقہ کا پورا علاقہ فتح ہوا، اس کا خمس مروان کو عطا کیا گیا۔"

—— الکامل فی التاریخ، جلد ۳، صفحہ ۴۶

مطبعۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر، ۱۳۴۸ھ

"ابن سعد نے بھی طبقات میں امام زہری کی سند سے یہ بات نقل کی ہے کہ کتب لمروان خمس مصر"، حضرت عثمانؓ نے مصر کا خمس مروان کے حق میں لکھ دیا تھا۔

(جلد ۳ ۔ صفحہ ۶۴) ماخوذاز: خلافت وملوکیت ۔ حاشیہ صفحہ ۱۰۶ ۔ ۱۰۷

مزید حوالوں کے لیے دیکھئے: تاریخ الاسلام، ذہبی

جلد ۲ صفحہ ۷۹ ۔ ۸۰ ۔ تاریخ الخلفا، ۔ سیوطی

صفحہ ۱۵۶ ۔ فتوح مصر والمغرب ۔

ابن عبد الحکم المصری صفحہ ۵۸ ۔

انساب الاشراف بلاذری جلد ۵ صفحہ ۲۵

نجفی

اور ۹۹ھ ۔ یعنی پہلی صدی ہجری کے خاتمے پر ایک دفعہ پھر خُمس کی فائل (FILE) کُھل گئی، مسئلہ سرکاری سطح پر فکر و عمل کا موضوع بنا اور اس کی بڑی دھوم مچی ۔ !

یہ اموی سلسلے کے سنبھلے ہوئے فرماں روا اور اپنے خاندان میں نمونے کے خلیفہ، جناب عمر بن عبد العزیز کے دور حکومت کا واقعہ ہے ۔

وقایع نویس لکھتے ہیں کہ ۔ آل امیّہ کی سلطنت کے تمام ادوار میں خُمس کو عام طور پر ذاتی ملکیّت سمجھا جاتا تھا ۔ نیز خدا، رسولؐ اور ذوی القربیٰ کا حق "صرفِ خاص" بن کر رہ گیا تھا ۔

چنانچہ ولید بن عبد الملک بن مروان (متوفی ۹۶ھ) نے خُمس کی ساری آمدنی اپنے بیٹے عمر بن ولید کے نام کر دی تھی ۔

جناب عمر بن عبد العزیز نے اقتدار سنبھالتے ہی اس ضمن میں عمر بن ولید کو نہایت سخت

الفاظ میں ایک خط تحریر کیا۔ اس عتاب نامے کا کچھ حصّہ درج ذیل ہے :۔

"وقسم ابیک لک الخمس کلّہ وانما سھم ابیک کسھم رجلٍ من المسلمین، وفیہ حق اللہ و حق الرسول وذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین، وابن السّبیل۔ فما اکثر خصماء ابیک۔ فکیف ینجو من کثرت خصمائہٗ واظھارک المعازف والمزمار بدعۃ فی الاسلام"

تمہارے باپ نے ساری کی ساری خمس تمہارے حوالے کر دی حالانکہ تمہارے باپ کا حصّہ ایک عام مسلمان آدمی جتنا تھا اور پھر خمس میں تو اللہ کا حق ہے، اس کے رسولؐ کا حق ہے، ذوی القربیٰ کا حق ہے، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے۔ تمہارے باپ نے کتنوں سے جھگڑا مول لے رکھا ہے اور جس کے اس کثرت سے دشمن ہوں وہ بھلا کیسے بچ سکتا ہے؟! اس کے علاوہ تمھیں یہ گانے بجانے کی جو لت پڑ گئی ہے اور اس کا ڈھنڈورا بھی پیٹتے رہتے ہو، تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ بدعت ہے۔

——— (سنن نسائی۔ باب قسم الفیٔ، جلد ۲ صفحہ ۱۷۸)

صرف یہی نہیں کہ خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے خمس کو غلط جگھوں پر دیکھ کر مناسب کارروائی کی بلکہ وہ اس حق کو صحیح مقامات تک پہونچانے کی سعی بلیغ بھی کرتے رہے۔

امام ابو یوسف ترقیم فرماتے ہیں۔

"اِنّ عمر بن عبد العزیز بعث بسھم الرّسولؐ وسھم ذوی القربیٰ

الیٰ بنی ھاشم"۔

"عمر بن عبدالعزیز نے رسولؐ خدا اور ان کے ذوی القربیٰ (قرابت داروں) کا حصّہ بنی ہاشم کو بھجوا دیا"

______ (الخراج، صفحہ ۲۵)

نیز مشہور محدّث ابوعبداللہ محمد بن سعد کا بیان ہے۔

انّ عمر بن عبدالعزیز لما امر بدفع شئٍ من الخمس الی بنی ھاشم۔ اجتمع نفرٌ منھم، فکتبوا کتاباً وبعثوا بہ مع رسولٍ الیہ، یتشکرون لہ ما فعل بھم من صلۃ ارحامھم وانّھم لم یزالوا مجفییّن منذ کان معاویۃ......

عمر بن عبدالعزیز نے جب بنی ہاشم کو خُمس میں سے کچھ دینے کا حکم کیا، تو خاندان ہاشم کے بعض افراد نے جمع ہو کر ایک خط لکھا اور قاصد کے ذریعے خلیفہ کو بھجوا دیا۔ اس مکتوب میں انھوں نے صلۂ رحم کی قدروں کا پاس کرنے پر عمر بن عبدالعزیز کا شکریہ ادا کیا تھا کہ معاویہ کے زمانے سے لے کر اب تک وہ نظر انداز ہوتے رہے ہیں۔

______ (طبقات، ابن سعد۔ جلد ۵ صفحہ ۲۸۹)

نیز ابن سعد کی تحریر کے مطابق خانوادۂ ہاشمی کی ایک خاتون نے بھی خمس کے سلسلے میں اچھا رویّہ اختیار کرنے پر شکریہ کا ایک خط ارسال کیا تھا، جس کے جواب میں عمر بن عبدالعزیز

نے یہ ترقیم کیا تھا۔"ان بقیت اعطیتکم جمیع حقوقکم"۔"باقی رہا تو تمہارے تمام حقوق واپس کردونگا"۔ ——(طبقات، ابن سعد۔ جلد ۵ صفحہ ۲۸۸ - ۲۸۹)

مگر جناب عمر بن عبد العزیز صرف ڈھائی سال حکومت کر سکے! ہاں! ایسے لوگ زیادہ دن کہاں رہ سکتے ہیں -؟ انھیں زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا -!

؎ خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود

اور بقول مولانا مودودی: "پھر وہی سب کچھ ہونے لگا جو پہلے سے ہوتا چلا آ رہا تھا"۔ ——(خلافت وملوکیت صفحہ ۱۹۱)

نیز اس میں یہ بھی شامل کر لیجیے کہ پوری دنیا میں اپنا سکّہ چلانے اور اپنا خطبہ پڑھوانے والے کج کلاہوں کے فلک بوس محل وقت کے ساتھ اور اونچے ہوتے چلے گئے، اور کوئی ساڑھے پانچ سو سال بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ تک فرزندان توحید کے سربراہانِ مملکت کی ان پُرشکوہ قیام گاہوں میں رہ رہ کر "رنگ اور روشنی" کے چشمے اُبلتے رہے - لیکن! نہ کبھی کسی حکمران کو رسولؐ اور آلِ رسولؐ کے حقوق یاد آئے اور نہ اموالِ خُمس اعلائے کلمۂ حق کے کام آئے۔

بس! خلیفہ عمر بن عبد العزیز کو کچھ نیک توفیق حاصل ہوئی مگر ان کا دل ذرا ایسا ہی تھا کہ پیک اجل آ پہونچا۔ سنہ ۱۰۱ھ میں وہ دنیا سے رخصت ہو گئے -! —— اور

؎ پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی -!

۹

عہد نبویؐ کی تحریریں !

تمام ادیانِ عالم میں اسلام ہی کو یہ خصوصیّت اور امتیاز حاصل ہے کہ اس کے داعیِ برحق کی پاک و پاکیزہ سیرت — کا ہر نقش، ہر رنگ، ہر ادا، ہر انداز اور ہر جہت کو زبانِ قلم نے صفحۂ قرطاس پر محفوظ کردیا ہے۔ اسی طرح اس رہبرِ عالم نے جو سرمایۂ ہدایت عطا فرمایا تھا اس کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف موجود ہے۔

گزشتہ ابواب میں ہم پیغمبر اکرمؐ کے زمانے کے کچھ آثار پر گفتگو کرچکے ہیں۔ اس باب میں ان وثائق پر قدرے تفصیل سے گفتگو ہوگی، جن کی جذب و کشش اور آب و تاب میں امتداد زمانہ کے باوجود کوئی فرق نہیں آیا۔!

تاریخ کے حوالے سے "عہد نبوی کی تحریریں" معارف اسلامیہ کا ایک مستقل موضوع بن چکی ہیں اور اس موضوع کو بڑی اہمیّت حاصل ہے۔ اس لیے کہ فقہی اور دستوری وجوہ کی بناء پر علماء اور محدثین نے تاریخ، مغازی اور سیرت کے مقابلے میں اسناد اور مکاتیب نبوی کی چھان بین پر زیادہ توجہ دی اور اس ضمن میں ممکن احتیاط سے کام لیا گیا۔

اس وقت جو دستاویزات محفوظ ہیں ان کی ایک مجمل فہرست یہ ہے۔

(۱) سیاسی معاہدے اور صلح و آشتی کے پیمان۔

(۲) مختلف اقوام کے نمائندوں اور سربراہان مملکت کو اسلام قبول کرنے کے دعوت نامے۔

(۳) اطراف و اکناف میں عہدے داروں کی تقرری کے پروانے اور انکی ذمّے داریوں کی تفصیل۔

(۴) قبالے اور اسناد

(۵) بعض خاص نوعیّت کے فرامین۔

(۶) اس وقت کے فرمان رواؤں اور سرداروں نے جو رسائل بھیجے تھے ان کے جوابات۔

(۷) دوسرے مذاہب سے تعلّق رکھنے والوں کو عطا کردہ حقوق و مراعات کے وثائق۔

(۸) متفرق احکام اور گوناگوں مسائل کے فیصلے۔

اب جبکہ حضورؐ کے وقت کے مکتوبی ذخیرے کی بات آگئی ہے تو یہ توضیح غیر مناسب نہ ہوگی کہ سرکار رسالت مآبؐ نے "دانش و بینش" کی بہت سی حقیقتیں حضرت علیؑ کو لکھوا

دی تھیں، اور آخر میں ان "صحیفوں" کو اپنے اہل بیتؑ کے سپرد فرمادیا تھا۔ نیز خاندان رسالت نے اس متاع بے بہا کو جس طرح کلیجے سے لگا کر اور دل میں سجا کر رکھا اس کی نظیر نہیں ملتی!

مثال کے طور پر "جفر و جامعہ" جیسے شاہکار جن کے متعلّق عام مسلمان دانشوروں نے بھی اعتراف کیا ہے کہ ان "تحریری مدارک" میں آفاقی نوعیّت کے معلومات اور علم و عرفان کے وہ مسائل تھے جن کی بلندیوں کو ذہنِ رسا بھی نہیں چھُو سکتا۔!

اس "دفتر نور و حکمت" کے بارے میں کاتب چلبی حاجی خلیفہ (متوفی ۱۰۶۷ھ) نے اپنی بیش بہا تالیف "کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون" میں بہت کچھ لکھا ہے۔

ملاحظہ ہو:—

—— کشف الظنون، جلد ۲ - صفحہ ۵۹۱

نیز میر سید علی بن محمد حنفی استرابادی (متوفی ۸۱۶ھ) نے "شرح مواقف" میں ان جلیل القدر کتابوں کے بارے میں ترقیم فرمایا ہے کہ یہ امام علی رضی اللہ عنہ کی کتابیں ہیں، جن میں "حروف ابجد" کی ترتیب سے قیامت تک پیش آنے والے واقعات پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور علیؑ ابن ابی طالبؑ کے وہ فرزند جو منصب امامت پر فائز ہوئے وہ ان کتابوں اور ان کے مطالب سے آگاہ تھے، اور ان ہی کی رو سے وہ بہت سے فیصلے صادر کرتے تھے۔ جیسے امام رضا علیہ السّلام نے مامون کی ولی عہدی کے سلسلے میں جو عہد نامہ قلم بند فرمایا تھا اس کے متن میں مستقبل کے بارے میں ایک اہم پیش گوئی بھی تھی۔

آپ نے تحریر کیا تھا کہ "جس طرح تم نے ہمارے حقوق کا اعتراف کیا ہے، اس عنوان سے تمہارے آباء و اجداد نے ان حقائق کا ادراک و اقرار نہیں کیا۔ ابنا بریں میں یہ عہدہ قبول تو کرتا ہوں، لیکن! "جفر و جامعہ" سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بات پوری نہیں ہو سکے گی!"

——— شرح مواقف۔ صفحہ ۲۷۶۔ طبع بولاق

"مفتاح السّعادہ و مصباح السّیادہ" کے مصنّف احمد بن مصطفیٰ طاش کبریٰ زادہ (متوفی ۹۶۲ھ) نے بھی حضرت امام علیؑ ابن موسیٰ الرضا کی ولیعہدی کے واقعے اور "جفر و جامعہ" کے حوالے سے آپ نے جو پیش گوئی فرمائی تھی اس کی تفصیلی روداد درج کی ہے اور ساتھ میں طاش کبریٰ زادہ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے۔

"وکان کما قال۔ لأنّ المأمون استشعر من اجل ذلك فتنة من طرف بنی هاشم فسمّ علیّ بن موسیٰ الرّضا فی عنبٍ علی ما هو مسطور فی کتب التاریخ	"اور پھر آپ نے جو فرمایا تھا وہی ہوا۔ کیونکہ مامون کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ بنی ہاشم کی وجہ سے اسے کسی فتنے یا "شہر آشوب" کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس لیے اس نے علیؑ ابن موسیٰ الرضا کو انگور میں زہر دے دیا۔ یہی تاریخوں میں لکھا ہوا ہے۔"

مفتاح السّعادۃ (جلد ۲، صفحہ ۴۰۲۔ مطبوعہ حیدر آباد دکن)

ان کے علاوہ مشہور مؤرخ ابن خلدون (متوفی ۸۰۸ھ) اپنے مقدمۂ تاریخ میں رقمطراز

ہیں کہ "جعفر صادقؑ اور خاندان رسالتؐ کی دوسری ہستیاں، ولایت کے جس درجے پر فائز تھیں اسے دیکھتے ہوئے اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ "کشف و کرامت" ان جیسے اولیاء کا حصّہ ہے۔ یہ کتاب (جفر) جو بیل کی کھال پر لکھی ہوئی تھی امام جعفر صادقؑ کی تحویل میں تھی۔ اس میں قرآن کی تفسیر کے علاوہ بڑے حیرت انگیز مطالب اور بالکل اچھوتے مضامین تھے۔"

"بہرکیف! جب دوسرے لوگ "صاحب کشف و کرامت" ہو سکتے ہیں تو ان کا کیا کہنا! جن کے علم و دین اور آثارِ جلیلہ کا رشتہ براہ راست نبوّت سے ملتا ہے۔ جس درخت کی جڑوں کو پروردگار عالم نے اپنے فضل و کرم سے سینچا ہو یہ اسی شجرۂ طیّبہ کی ہری بھری شاخیں ہیں۔ اہل بیتؑ کے متعلق اس طرح کی بہت سی باتیں شہرت عام رکھتی ہیں جن سے دوسرے لوگ تہی داماں ہیں۔"

——— (اقتباس - از: مقدمہ ابن خلدون"

جلد ۱، صفحہ ۵۹۵ - ۵۹۶ نیز ۶۰۰ - ۶۰۱)

خیر! یہ تو ذکر تھا اس قیمتی اثاثے کا جو "خاندان عصمت و طہارت" کو خود حضور ختمی مرتبتؐ سے ورثے میں ملا۔ اور خیر و آگہی کے اس عدیم المثال ذخیرے کا خاصا بڑا حصّہ جس کا تعلّق امّت کے رشد و ہدایت سے تھا وہ آئمّہ اہلبیتؑ کے ذریعے ان کے مدرسے سے ان "مجامع حدیث" میں شامل ہو گیا جن کی وجہ سے یہ فقہی مکتب قائم ہے۔

اب ہم ان عام علمی حلقوں کا جائزہ لیتے ہیں جن سے وابستہ اور پیوستہ دانشوروں نے اپنے اپنے دور میں "عہد نبوی کی تحریروں" کے حصول اور حفاظت کے سلسلے میں خاصے بڑے کارنامے انجام دئے۔!

ان وثائق کی جمع و ترتیب پر سب سے پہلے رسولؐ کے صحابی اور یمن میں آنحضرتؐ کے نمائندے عمرو بن حزمؓ (متوفی ۵۴ھ) نے توجہ دی اور ان کے اس کام کو تیسری صدی ہجری کے ایک بہت بڑے سندھی عالم ابو جعفر دیبلی نے نہایت سلیقے اور قرینے سے محفوظ کیا۔ یہ کارنامہ اب دسویں صدی ہجری کے مشہور و معروف مورخ شمس الدین محمد بن طولون کی تصنیف "اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین" میں شامل ہے۔

دوسری صدی ہجری میں محمد ابن اسحٰق (متوفی ۱۵۱ھ) نے تاریخ و مغازی کے شعبے میں بڑا نام پیدا کیا نیز آثار نبوی کے ڈھونڈھنے اور سمیٹنے میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ اس کے علاوہ ابن اسحٰق کی محنت کا ثمرہ آج بھی ابنِ ہشام (متوفی ۲۱۳ھ) کی مقبولِ عام شرح "السیرۃ النبویہ" کی شکل میں ہر جگہ موجود ہے۔

امام ابو یوسف (۱۸۲ھ) کی "کتاب الخراج" بھی اسی صدی کی پیش کش اور اپنے وسیع دامن میں بہت سا قیمتی سرمایہ سنبھالے ہوئے ہے۔

تیسری صدی ہجری میں محمد بن سعد (متوفی ۲۳۰ھ) کی غیر معمولی کدو کاوش سامنے آتی ہے۔ ان کی بیش بہا تصنیف "الطبقات الکبریٰ" کو بھی آثار رسالتؐ کی صیانت

کا ایک بہت بڑا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ نیز امام محمد بن اسمٰعیل بخاری (متوفی ۲۵۶ھ) کی "الجامع الصحیح"۔ امام مسلم بن حجاج نیشاپوری (متوفی ۲۶۱ھ کی الصحیح"۔ عبدالرزاق (متوفی ۲۱۱ھ) کی "مُصَنَّف" اس کے علاوہ، امام ابوداؤدؒ کی "کتاب السنن" بھی اسی صدی کی وہ محنت شاقّہ ہے جسے دنیا بھر میں شہرت نصیب ہوئی۔

اور اسی دور کے ایک مصری دانشور عبدالرّحمٰن بن عبدالحکم (متوفی ۲۵۷ھ) ہیں ان کی وقیع تالیف "فتوح مصر والمغرب" کے نام سے معروف ہے۔ اس مجموعے میں بھی بڑے انمول جواہر پارے نظر آتے ہیں۔

نیز یہی صدی ہے جس میں ابوعبید القاسم کا کام بھی دامنِ دل کو کھینچتا ہے۔ ان کی کنجکاوی کا نتیجہ کتاب الاموال بڑے معرکے کی چیز ہے۔ پھر —— جب ہم چوتھی صدی ہجری کی قلمی جدوجہد پر ایک نگاہ ڈالتے ہیں تو فوراً امام نسائی (متوفی ۳۰۳ھ) کی "السنن" سامنے آتی ہے۔ —— اور اس کے ساتھ ہی ساتھ محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) کی تاریخ بھی نمود کرتی ہے۔

علاوہ ازیں قدامہ ابن جعفر (متوفی ۳۳۷ھ) کی "کتاب الخراج" بھی اسی صدی کی ایک قابل تحسین پیش کش ہے۔

اور علی ابن الحسین المسعودی (متوفی ۳۴۶ھ) کی تاریخ "مروج الذہب" بھی اسی دور کی ایک بہت اچھّی تصنیف ہے۔

پانچویں صدی میں ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی (متوفی ۴۵۸ھ) کی "السنن الکبریٰ"
اور ابن عبدالبرّ (متوفیٰ ۴۶۳ھ) کی الاستیعاب" سے اسلامی کتب خانے میں خاصا گراں قدر
اضافہ ہوا۔

چھٹی صدی کا آغاز ہوتے ہی اہل علم کو زمخشری (متوفی ۵۳۸ھ) کی "الفائق فی غریب
الحدیث مل گئی! اور پھر کچھ عرصے بعد عبدالرحمٰن عبداللہ بن احمد السہیلی (متوفی ۵۸۱ھ)
کی الروض الانف" جیسی سیرت کی کتاب نصیب ہوگئی۔

ساتویں صدی ہجری کا دامن ابن الاثیر (متوفی ۶۳۰ھ) کی "اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ"
اور ابنِ خلّکان کی "وفیات الاعیان" سے بھرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

آٹھویں صدی، ابن منظور افریقی (متوفی ۷۱۱ھ) کے شاہکار لسان العرب" کی تعریف
میں رطب اللسان ہے۔ نیز ابن سیّد النّاس (متوفی ۷۳۴ھ) کی "عیون الاثر" کا بھی
اسی پر کیا۔ اس سب پر اثر ہے۔ ابن قیم (متوفی ۷۵۱ھ) کی زاد المعاد" اور ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ھ)
کی "البدایۃ والنہایہ" کے ساتھ "السیرۃ النبویہ" ان ہی وقتوں کا بڑا بھاری بھر کم کام ہے۔

اب آیئے! نویں صدی میں احمد بن علی القلقشندی (متوفی ۸۲۲ھ) سے ملئے۔ انھوں
نے آنکھ کھول کر مصر کی ایک بستی قَلْقَشُنْدَہ کے لیل و نہار دیکھے۔ اسی نسبت سے
قلقشندی کہلاتے ہیں۔ ان کی کتاب "صبح الاعشیٰ" بڑے اُجالوں کا مجموعہ ہے۔

ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) کی الاصابہ فی تمیز الصحابہ"، نیز الیعقوبی

(متوفی ۸۹۷ھ) کی "تاریخ" بھی اسی عہد میں لکھی گئی، اور حقیقت یہ کہ دونوں بہت اونچے درجے کی کتابیں ہیں۔

دسویں صدی ہجری میں ابوالعبّاس قسطلانی کے قلم سے "مواہب لدنیہ" اور علاءالدّین علی متّقی ہندی (متوفّی ۹۷۵ھ) کی سعی و جستجو کے نتیجے میں "کنزالعمّال" جیسی معیاری تصانیف کا اضافہ ہوا۔

نیز شروع میں ہم عرض کر چکے ہیں کہ شمس الدّین محمد بن علی بن طولون (متوفی ۹۵۳ھ) کی سونے کے حرفوں سے لکھنے کے قابل کتاب "اعلام السائلین عن کتب سیّد المرسلین" بھی اسی صدی کا مثالی شاہکار ہے۔

حضور نبی کریم کے تحریر کروائے ہوئے اور آپ کی مہر مبارک سے جاری شدہ مستند دستاویزات، مدارک اور تمسکّات جتنے اس بیش قیمت مجموعے میں ہیں اتنے کسی اور دفتر آگہی میں نہیں ملتے!

بہر کیف! ہمارا موضوع اگر "اسامی یا فہرست کتب" ہوتا تو کلک و قرطاس کی ایک دنیا سامنے تھی۔ لیکن نہ تو یہ ہماری نگارش کا عنوان ہے اور نہ عرضِ سخن میں طول دینا مقصود ہے۔

ایک ہزار سال کے دوران آثار و اسناد عہد ختمی مرتبت کے شعبے میں قلمی جنبش کے باعث مسلمانوں کا علمی خزانہ جس طرح مالامال ہوا، چند کتابوں کے تذکرے سے اس کی صرف ایک ہلکی سی جھلک دکھانے کی کوشش کی گئی، ورنہ ؎ سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کیلئے!

دسویں صدی ہجری کے بعد جو کام ہوا، اس میں بھی بہت کچھ ہے۔

پھر مسلمانوں کے دوش بدوش غیر مسلموں نے بھی اس تحریک میں کسی سبب سے سہی، بہر حال! پورے انہماک اور انتہائی فیاضی سے بھرپور حصہ لیا۔!

نمونے کے طور پر ہم جرمنی کے مشہور مستشرق اشپرنگر (SPRINGER) ، پروفیسر شخاؤ (SACHOU) ، نیز اسی علاقے کے ایک اور دانشور ڈاکٹر مولر (Dr. MULLER) ، اٹلی کے کاتیانی (LEONE CAETANI) ، ہالینڈ کے ڈوزی (DOZY)، انگلستان کے (LANE POLE)، ڈی۔ ایس۔ مارگولیتھ (D. S. MARGOLIOTH) اور فرانس کے رینان (RENAN) کے اسمائے گرامی کی نشان دہی کر سکتے ہیں۔

ان افاضل نے تاریخ اسلام اور عہد نبوی کی دستاویزوں اور مکتوبات کے سلسلے میں مغربی زبانوں کے لئے بھی بڑا اچھا ذخیرہ فراہم کیا ہے۔

پھر ہمارے سامنے وہ شخصیتیں بھی ہیں جن کے پاس یا جن کے خاندان کی تحویل میں یا بعض اداروں میں سرکار رحمۃ للعالمین کے کچھ نوشتہ جات محفوظ ہیں مثلاً آنحضرت نے بزرگ صحابی جناب سلمان فارسی کے خاندان والوں کے لیے جو عہد نامہ حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ سے تحریر کروایا تھا وہ آج بھی زردشتی قوم کی ایک سربرآوردہ ہستی محترم جناب جمشید جی، جے، جے بھائی کے خاندان کے پاس بمبئی (بھارت) میں موجود ہے۔ یہ عہد نامہ بین الاقوامی تعلقات کے حوالے سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ نیز یہ دستاویز جس نشست میں قلم بند کی گئی اس میں جو حضرات شریک تھے ان کے نام بھی درج ہیں۔ مثلاً جناب ابوبکر، عمر بن خطاب، عثمان بن

عثمان، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، سلمان، ابو ذر، عمار، صہیب، بلال، مقداد بن الاسود

اور ان کے علاوہ مزید بہت سے مؤمنین حاضر تھے۔ آخر میں حضورؐ کی مہر مبارک ثبت ہے۔

اس وثیقے کو ۱۸۵۱ء میں سر جمشید، جے۔ جے بھائی نے بمبئی سے شائع کروا دیا تھا۔

اس کے علاوہ سرور کائنات کا ایک نامۂ عالی تیونس میں دریافت ہوا ہے۔ یہ قدیم مخطوطات کے شوقین ایک یونانی باشندے کے مجموعوں (COLLECTIONS) میں شامل تھا۔ اس کا عکس روزنامۂ نوائے وقت لاہور کے ۱۱ جولائی ۱۹۷۷ء کے شمارے میں بھی چھپ چکا ہے۔

دو اور گرامی قدر تحریریں جو "عیسائی فرقے" کے "فرائض و حقوق" سے متعلق ہیں آکسفورڈ یونیورسٹی کے کتب خانے کا بہت بڑا علمی سرمایہ ہیں۔

اسی طرح کچھ اور مکتوب بھی ہیں جن کے بارے میں یوروپ اور ایشیا کے بہت سے صاحب نظر قلمکار خاصے معلومات فراہم کر چکے ہیں۔

مثال کے طور پر منذر بن ساوی، مقوقس، نجاشی، ہرقل اور خسرو کے نام پیغمبر خاتمؐ نے جو مراسلے روانہ فرمائے تھے، مختلف ملکوں میں وہ بھی بحفاظت رکھے ہوئے ہیں۔

اس ضمن میں عہد حاضر کے تحقیقی کام کرنے والوں نے بھی بڑے کارنامے انجام دیئے ہیں۔ ان میں سے ایک تو جناب عبدالمنعم خاں کی کتاب "رسالات نبویہ" ہے جو ۱۳۴۶ھ میں ہندوستان سے شائع ہو چکی ہے۔ مگر عجیب اتفاق ہے کہ ابھی تک مجھے اس وقیع پیش کش کو دیکھنے کا موقع

نہیں مل سکا۔ البتہ اس کے حوالے کثرت سے نظروں کے سامنے آچکے ہیں۔

اور دوسری قلمی کاوش دانشمند محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی وہ کنجکاوی ہے جس کی بنیاد پر انھیں ۱۹۳۵ء میں پیرس یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل ہوئی۔ یہ تحقیقی مرقّع فرانسیسی زبان میں پیش ہوا تھا۔ بعد میں قاہرہ کے دانشوروں نے اسے عربی کے سانچے میں ڈھال لیا اور ۱۹۴۱ء میں زیور طبع سے آراستہ کر کے اہل علم تک پہونچا دیا۔ یہ پرارزش کتاب مجموعۃ الوثائق "السیاسیّۃ فی العہد النبوّی و الخلافۃ الراشدہ کے نام سے موسوم ہے۔

اور اس وقت ہمارے ہاتھ میں ہے۔ واقعاً اس وقیع کتاب سے ہمیں اپنے کام میں بڑی مدد ملی ہے۔

بہرکیف! اس قدرے طویل تمہید کے بعد پھر ہم اپنے موضوع کا جائزہ لیتے ہیں تو! آیئے! دیکھیں، کہ عہد نبوی کی تحریروں بلکہ یہ کہنا بہتر ہوگا کہ حضورؐ کے "ہدایت ناموں" میں خمس کے متعلق کیا مرقوم ہے۔؟

گزشتہ ابواب میں ہم سرکار دو عالمؐ کے چند فرمان درج کرنے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ اب مزید کچھ احکام کے تعارف کا شرف حاصل کیا جاتا ہے۔

۱۔ پیغمبر اکرمؐ نے قبیلۂ قحطان کی ایک شاخ بنو قُضاعہ کے ایک نمایاں قائد جہینہ بن زید کو ایک خط ارسال فرمایا تھا۔ اُسدُ الغابہ کے مصنّف اور صاحب اَلاِصابہ لکھتے

ہیں کہ جس نامۂ عالی کا تذکرہ ہے اسے ابو مریم عمرو بن مُرّۃ الجہنی لے کر گئے تھے۔ مکتوب گرامی کا متن یہ تھا۔

اِنَّ لَکُمْ بُطُوْنَ الْاَرْضِ وَسُهُوْلَهَا وَتِلَاعِ الْاَوْدِيَةِ وَظُهُوْرِهَا عَلٰی اَنْ تَرْعَوْا نَبَاتَهَا وَتَشْرَبُوْا مَائَهَا عَلٰی اَنْ تُؤَدُّوْا الْخُمْسَ	دشت وصحرا کے نشیب وفراز، دامنِ کوہ کے آبی ذخیرے اور اونچے نیچے ٹیلے، یہ سب تمہارے لیے ہیں تاکہ تم ان کے سبزہ زاروں میں اپنے جانور چراؤ اور یہاں کے پانی سے

سیراب ہو۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ خُمس ادا کرتے رہو۔

یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اس موقع پر خمس سے مراد جانوروں کی زکوٰۃ تو ہو ہی نہیں سکتی۔ اس لیے کہ "زکوٰۃ اَنعام" یا مواشیوں پر جو زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اس کا نصاب خُمس یعنی پانچواں حصہ یا بیس فی صد نہیں۔ علاوہ ازایں حضور نبی کریمؐ نے اس "اجازت نامے" کے اخیر میں "فی التَّیعۃِ والصَّرِیمَۃِ شَاتَانِ"..... زیب قرطاس فرما کر "زکوٰۃ انعام" پر الگ روشنی ڈالی ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ جناب رسالت مآبؐ کا مقصد ومنشأ یہ تھا کہ "جب تم ریاست کی حدود میں تمام معاشی سہولتوں سے مستفید ہوتے ہو تو پھر اپنی آمدنی میں سے اللہ اور اس کے رسُولؐ کا حق بھی ادا کرو"

ڈاکٹر حمید اللہ نے اس سرخط کو جمع الجوامع سیوطی سے اخذ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ الوثائق السیاسیہ صفحہ ۱۴۲۔ نیز یہ تحریر کنز العمال کی ساتویں جلد کے صفحہ ۶۵ پر بھی موجود ہے، اور لفظ

حَرَم کے ذیل میں ابن الاثیر نے نہایۃ اللغہ اور ابن منظور نے لسان العرب میں اس کے ایک حصّے کا تذکرہ کیا ہے۔

۲۔ قبیلہ بنی عامر سے تعلّق رکھنے والا ایک خاندان بنو البکّار کے نام سے مشہور، اور مکّے اور بصرے کے درمیان آباد تھا۔ اس کا ایک وفد سرکار رحمۃٌ للعالمینؐ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔ اُسدُ الغابہ اور الاِصابہ میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔ بہر حال! حضورؐ نے اس وفد کے سربراہ فُجَیع بن عبد اللہ البکائی کو ایک دستاویز مرحمت فرمائی تھی جس کی عبارت یہ ہے۔

مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِیِ لِلفُجَیعِ وَمَنْ تَبِعَهُ وَمَنْ اَسْلَمَ وَاَقَامَ الصَّلوٰةَ وَاٰتَی الزَّکَاةَ وَاَطَاعَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَاَعْطٰی مِنَ الْمَغَانِمِ خُمُسَ اللّٰهِ وَنَصَرَ النَّبِیَ وَاَصْحَابِهٖ وَاَشْهَدَ عَلٰی اِسْلَامِهٖ وَفَارَقَ الْمُشْرِکِیْنَ فَاِنَّهُ اٰمِنٌ بِاَمَانِ اللّٰهِ وَاَمَانِ مُحَمَّدٍ

(اللہ کے) نبیؐ محمدؐ کی جانب سے فجیع اور اس کے ہمروش افراد، اور ان کے نام جو نماز قائم کرتے، زکوٰۃ ادا کرتے، خدا اور رسولؐ کی اطاعت بجالاتے ہوں نیز اپنے منافع میں سے خدا کا حق، خمس بھی ادا کرتے ہوں اس کے علاوہ پیغمبرؐ اور ان کے ساتھیوں کی کمک کرتے ہوں۔ پھر وہ اپنے اسلام کے اعلان و اظہار میں بھی حوصلے نہ ہارتے ہوں۔ نیز مشرکوں سے قطع تعلّق کر چکے

ہوں۔ وہ سب کے سب اللہ کی امان اور محمد صلعم کی حفاظت میں ہیں۔ا

—الوثائق السیاسیہ صفحہ ۱۸۵-۱۸۶؛

طبقات ابن سعد جلد ۱، صفحہ ۳۰۵؛

اُسُدُ الغابَہ جلد ۴ صفحہ ۱۷۴-۱۷۵-

اور ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ یہ مدرک اشپرنگر (SPRINGER) — کی کتاب میں بھی موجود ہے۔ ؎ا

۳۔ اَسبَذ سے تعلق رکھنے والے عُمانی اور بحرینی فرماں رواؤں کے نام ایک حکم محکم میں سرورِ کونینؐ ارشاد فرماتے ہیں:

مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِی رَسُوْلِ اللهِ لِعِبَادِ اللهِ الأُسْبَذِ یِیّین مُلُوْكِ عُمَان وَأسْبَذَ عُمَانُ مَنْ كَانَ مِنْهُمْ بِالْبَحْرَيْنِ۔	اللہ کے رسول، نبی محمدؐ کی طرف سے خدا کے بندوں اَسبَذ سے وابستہ عُمان کے حکمرانوں، اور ان میں سے جو بحرین میں آباد ہیں کے نام ترقیم ہے اگر وہ لوگ جن سے
اِنَّهُمْ اِنْ آمَنُوا وَاَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطَاعُوا اللهَ وَرَسُوْلَهٗ	خطاب ہے۔ ایمان لے آئے، نماز قائم کرنے لگے، زکوٰۃ دیتے رہے، اللہ اور اس کے

؎ا DAS LEBEN UND DIE LEHRE DES MOHAMMAD.

VOL 3, P. 405-406.

وَاَعْطُوْا حَقَّ النَّبِیِّ وَنَسَکُوْا نُسُکَ الْمُسْلِمِیْنَ فَاِنَّھُمْ اٰمِنُوْنَ۔

رسولؐ کے فرماں بردار بنے رہے اور انھوں نے پیغمبرؐ کا حق بھی ادا کردیا۔ نیز مسلمانوں جیسے اعمال بجالاتے رہے۔ تو وہ ہر طرح اپنے آپ کو حفظ وامان میں سمجھیں۔

— دیکھئے! الوثائق السیاسیہ۔ صفحہ ۶۳،
ابوعبید القاسم کی کتاب الاموال صفحہ ۲۵،
قلقشندی کی صبح الاعشیٰ جلد ۶۔ صفحہ ۳۸۰
۔ اور بلاذری کی فتوح البلدان صفحہ ۹۵،

لائق توجہ بات یہ ہے کہ اس وثیقے (DOCUMENT) میں سرتاج انبیاءؑ نے زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دینے کے بعد، رسولؐ خدا کا حق طلب فرمایا ہے۔ ظاہر ہے جہاں نہ جنگ ہوئی ہو نہ صلح وہاں کے باشندوں کے ذمے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حصّہ سوائے خُمس کے اور کیا ہوسکتا ہے۔؟

۴۔ جُنادَہ اَزدِی کے حالات اُسُدُ الغابہ کی جلد ۱ صفحہ ۳۰۰ پر مسطور ہیں۔ آنحضرتؐ کا یہ نامۂ شرف ان کے اور ان کی قوم کے نام ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
ھٰذَا کِتَابٌ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰہِ لِجُنَادَۃِ الْاَزْدِیِّ وَقَوْمِہٖ وَمَنْ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
یہ نوشتہ، اللہ کے رسول محمدؐ کی جانب سے جنادہ ازدی، اس کی قوم اور اس کے قدم

تَبِعَہٗ، مَا اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ آتُوالزَّکٰوۃَ وَاَطَاعُوااللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَاَعْطُوامِنَ الْمَغَانِمِ خُمُسَ اللّٰہِ وَسَھْمَ النَّبِیِّ صلعم وَ فَارَقُواالْمُشْرِکِیْنَ فَاِنَّ لَھُمْ ذِمَّۃَ اللّٰہِ وَذِمَّۃَ مُحَمَّدِبْنِ عَبْدِاللّٰہِ۔

بقدم چلنے والوں کے نام ہے۔ جب تک یہ سب نماز ادا کرتے رہیں گے، زکوٰۃ کی پابندی کریں گے، خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت میں کوتاہی نہیں برتیں گے اور اپنی کمائی میں سے اللہ کا پانچواں حصّہ اور اس کے رسولؐ کا حق ادا کرتے رہیں گے نیز مشرکین سے خود کو علیحدہ رکھیں گے اس وقت تک انھیں اللہ اور محمد ابن عبداللہ کی ضمانت حاصل رہے گی۔

ملاحظہ ہو:—— الوثائق السیّاسیہ، صفحہ ۱۲۰، طبقات ابن سعد جلد ا صفحہ ۲۷۰، کنزالعمّال، جلد ۵ صفحہ ۳۲۰ نیز ڈاکٹر حمید اللہ کے مطابق کایتانی (CAETANI)ؔ اور اشپرنگر (SPRINGER) کے ہاں بھی علی الترتیب جلد ۱۰ شمارہ ۲۵ اور جلد ۳ صفحہ ۴۶۸ پر اس نامۂ گرامی کا متن مرقوم ہے۔

ؔ LEONE CAETANI, ANNALI' DELL, ISLAM.

۵۔ صیفی بن عامر قبیلۂ بنی ثعلبہ کے سردار تھے الاستیعاب کے مؤلف "ابن عبدالبرّ" اور اُسْدُ الغابہ کے مرتّب "ابن الاثیر" نے صیفی کے اوضاع واحوال پر روشنی ڈالی ہے۔ حضور نبی کریمؐ نے صیفی کو بھی ایک تحریر عطا فرمائی تھی۔ جس کا مضمون یہ تھا۔

هٰذَا كِتَابٌ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللهِ لِصَيْفِي بِنِ عَامِرٍ عَلٰى بَنِيْ ثَعْلَبَةَ مَنْ أَسْلَمَ مِنْهُمْ وَاَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكٰوةَ وَاَعْطٰى خُمُسَ الْمَغْنَمِ وَسَهْمَ النَّبِيِّ وَالصَّفِيِّ فَهُوَ آمِنٌ بِاَمَانِ اللهِ •

یہ پروانہ محمّد رسولؐ اللہ کی طرف سے بنو ثعلبہ کے سرخیل صیفی بن عامر کے لیے ہے۔ اس قبیلے کے جو افراد اسلام قبول کرلیں گے، نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دینگے اپنے کاروباری فائدوں میں سے خُمس ادا کرینگے نیز رسولؐ کے حقوق بجالائیں گے وہ اپنے آپ کو امان میں پائیں گے۔

الوثائق کے جامع نے اس تمسّک کو اپنی کتاب کے صفحہ ۲۴ پر نقل کیا ہے۔

مزید حوالوں کے لیے:—

—— الاصابہ ابن حجر، جلد ۲ صفحہ ۱۸۹،

اُسْدُ الغابہ جلد ۳ صفحہ ۳۴،

طبقات ابن سعد، جلد ۱ صفحہ ۲۹۸

اور عیون الاثر جلد ۲ صفحہ ۲۴۸ کا مطالعہ مفید ہوگا۔

۶۔ بنو عکل بن عوف کی برادری بنو زہیر بن اقیش کو آنحضرتؐ نے ایک امان نامہ عنایت فرمایا تھا جس میں رحمتِ دو عالمؐ نے یوں رہبری فرمائی تھی۔

مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰہِ لِبَنِیْ زُھَیْرِ بْنِ اُقَیْشٍ مِنْ عُکْلٍ اِنَّکُمْ اِنْ شَھِدْتُمْ أَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ وَاَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَآتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ وَفَارَقْتُمُ الْمُشْرِکِیْنَ وَاَعْطَیْتُمْ مِنَ الْمَغَانِمِ الْخُمُسَ وَسَھْمَ النَّبِیِّ وَصَفِیَّہٗ فَاَنْتُمْ اٰمِنُوْنَ بِاَمَانِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔

محمدؐ رسول اللہ کی جانب سے بنو زہیر بن اقیش عکلی کے نام۔ اگر تم لوگ خدا کی وحدانیّت اور اس کے رسولؐ محمدؐ کے نبی ہونے کی گواہی دیتے ہو، ساتھ ہی نماز قائم کرتے ہو، زکوٰۃ ادا کرتے ہو مشرکوں سے علیحدگی اختیار کرتے ہو۔ اور اپنی آمدنیوں سے خُمس دیتے ہو۔ (اور بقول صاحب اُسْدُ الغابہ حضورؐ نے ترقیم فرمایا تھا، "وَاَقَرُّوْا بِالْخُمُسِ فِیْ غَنَائِمِھِمْ"۔ اپنی کمائی سے یا منافع سے خُمس دینے کا اقرار کرتے ہو) نیز پیغمبرؐ کے خاص حقوق ادا کرتے ہو تو تم اللہ اور اس کے رسولؐ کی امان میں ہو۔

اس فرمان کو مجموعۃ الوثائق السیاسیہ کے صفحہ ۱۹۵ پر دیکھا جاسکتا ہے

نیز ملاحظہ کیجیے

کتاب الاموال، ابو عبید صفحہ ۱۲، طبقات ابن سعد، جلد ا صفحہ ۱۷۹، سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۱۷۹، صبح الاعشی قلقشندی جلد ۱۳ صفحہ ۳۲۹ ـ ۳۳۰، کنز العمّال جلد ۲ صفحہ ۲۷۱

سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۲۴ - ۲۵ ، سنن بیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۰۳ ، اُسدُ الغابہ جلد ۵ صفحہ ۳۸۹ اور اشپرنگر (SPRINGER) کے ہاں جلد ۳ صفحہ ۲۳۷ اور کاتیانی (CAETANI) کی کتاب کا شمارہ ہے ۹ ؛ ۹۲

۷۔ رسول مقبولؐ کے ایک صحابی مالک بن احمر ہیں ان کی نسلی وابستگی کہلان کے قبیلے اور جذام بن عدی کے گھرانے سے ہے۔ یہ قبیلہ حجاز کے شمال میں، باز نیطینی سرحد کے قریب، تبوک کے ہرے بھرے علاقے میں آباد تھا۔ ۹ھ میں جب سرکارِ ختم المرسلینؐ نے اس خطۂ زمین کو شرف قدوم بخشا تو سب سے پہلے مالک بن احمر نے اسلام قبول کیا، اور پھر اُنھوں نے آنحضرتؐ کی خدمت اقدس میں عرض کی کہ حضورؐ! انھیں ایک سند عطا فرمادیں جس کے سہارے وہ اپنے قوم قبیلے کو بھی "دین حق" کی دعوت دے سکیں۔!

پیغمبر کریمؐ نے جواباً، کھال کے چار انگل چوڑے اور ایک بالشت لمبے ٹکڑے پر یہ دستورِ ہدایت صادر فرمادیا۔:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	بسم اللہ الرحمن الرحیم
هٰذا كِتَابٌ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِمَالِكِ بْنِ اَحْمَرَ وَلِمَنِ اتَّبَعَهٗ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَمَانًا لَهُمْ، مَا اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَاتَّبَعُوْا	یہ نوشتہ محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے مالک بن احمر اور ان کا ساتھ دینے والے مسلمانوں کے لیے ہے، اگر انھوں نے نماز کے قیام اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں بھرپور

الْمُسْلِمِيْنَ وَجَانَبُوا الْمُشْرِكِيْنَ، وَ	حصّہ لیا نیز مسلمانوں کے ساتھ رہ کر مشرکوں
اَدَّوا الْخُمْسَ مِنَ الْمَغْنَمِ وَسَهْمَ	سے ترکِ موالات پر قائم رہے اور اپنی کمائی
الْغَارِمِيْنَ ۔	سے خُمُس دینے کا فرض بھی انجام دیا۔ اور قرض

خواہوں کا قرضہ بھی ادا کرتے رہے تو یہ تمسّک ان کے لیے امان نامہ ہے۔

الوثائق السیّاسیّہ، صفحہ ۱۵۵،

اُسُدُ الغابہ جلد ۴ صفحہ ۲۷۱، نیز اصابہ ابن حجر جلد ۳،

زیر شمارہ ، ۷۵۹۳ اور لسان المیزان میں بھی

یہ دستاویز مذکور ہے۔ جلد ۳، صفحہ ۲۰

البتہ لسان المیزان کے مصنّف نے مالک بن احمر کے بجائے نہ جانے کیوں مبارک

بن احمر لکھ دیا ہے۔ !

۸۔ اس تحریر میں عَمرو بن مَعْبَد الجُہَنی اور ان کے قبیلے جُہَیْنَہ کی شاخوں بَنُو الحُرَقَہ اور بَنُو الجُرمُز

سے خطاب ہے۔ حضورؐ ارشاد فرماتے ہیں۔

لِعَمْرِو بْنِ مَعْبَدِ الْجُهَنِيْ وَ بَنِيْ	عَمرو بن مَعْبَد جُہَنی اور جُہَینَہ سے وابستہ خاندانوں
الْحُرَقَةِ مِنْ جُهَيْنَةِ وَبَنِي الْجُرْمُزِ	بَنُو الحُرَقَہ اور بَنُو الجُرمُز کے نام۔ ان میں سے
مَنْ اَسْلَمَ مِنْهُمْ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ	جو اسلام قبول کر کے نماز و زکوٰۃ کی پابندی
وَآتَى الزَّكٰوةَ وَاَطَاعَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ	کرتا ہے اور خدا اور رسولؐ کا فرمان بردار رہتا

وَاَعْطٰی مِنَ الْغَنَائِمِ الْخُمُسَ.... | ہے۔ نیز حاصل شدہ منفعتوں سے خُمس
فَاِنَّہٗ اٰمِنٌ بِاَمَانِ اللّٰہِ وَاَمَانِ مُحَمَّدٍ | ادا کرتا ہے........وہ اللہ کی امان اور محمدؐ

کی حفاظت میں رہے گا۔

یہ وثیقہ ڈاکٹر حمید اللہ کے مجموعے میں صفحہ ۱۳۸ پر ہے اور اسی حوالے سے (SPRINGER) کے ہاں بھی جلد ۳، صفحہ ۱۵۱ پر موجود ہے نیز طبقات ابن سعد میں جلد ۱، صفحہ ۲۴-۲۵ پر بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

۹۔ ۹ھ میں حضور نبی کریمؐ نے قبیلہٗ باہلہ کے سرخیل، نَہْشَل بِنْ مَالِک وائلی کے نام یہ مراسلہ قلم بند کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا۔

هٰذَا كِتَابٌ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰہِ لِنَهْشَلَ بْنِ مَالِكٍ وَمَنْ مَعَهٗ مِنْ بَنِیْ وَائِلٍ لِمَنْ اَسْلَمَ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَآتَی الزَّکَاةَ وَاَطَاعَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَهٗ وَاَعْطٰی مِنَ الْمَغْنَمِ خُمُسَ اللّٰہِ وَسَهْمَ النَّبِیِّ وَاَشْهَدَ عَلٰی اِسْلَامِهٖ وَفَارَقَ الْمُشْرِكِیْنَ فَاِنَّهٗ اٰمِنٌ بِاَمَانِ اللّٰہِ۔

یہ خط، اللہ کے رسول محمدؐ کی جانب سے نہشل بن مالک اور بنُو وائل سے تعلّق رکھنے والے اس کے ساتھیوں کے لیے ہے۔ ان میں سے جو مسلمان ہو چکا ہو اور نماز کا پابند، زکوٰۃ دیتا ہو، اللہ اور اس کے رسُول کا اطاعت گزار اور اپنے منافع میں سے اللہ کی خُمس اور پیغمبرِؐ خدا کا حصہ ادا کرتا ہو، کھلے بندوں اپنے آپ کو مسلمان

کہلوائے نیز مشرکوں سے کوئی واسطہ نہ رکھے تو وہ اللہ کے حفظ و امان میں ہوگا۔

— یہ نامۂ گرامی الوثائق کے صفحہ ۱۶۶ پر مرقوم

ہے نیز کایتانی (CAETANI) اور —

اشپرنگر (SPRINGER) کے مجموعوں میں بھی

علیٰ الترتیب ۹ : ۸ - جلد ۳ صفحہ ۳۲۳

اور طبقات ابن سعد کی جلد ا صفحہ ۳۳ پر مرقوم ہے۔

۱۰- سرورِ کونینؐ نے اس گرامی نامے میں قبیلۂ لَخم کی ایک شاخ حَدَس بن اُرِیش کو شرف

خطاب عنایت فرمایا ہے۔

قحطانی سلسلے سے مربوط یہ قبیلہ شام کے علاقے میں آباد تھا۔ جمہرۂ ابن حزم کے

صفحہ ۴۲۳ پر اس برادری کے حالات لکھے ہوئے ہیں۔ سرکارؐ کے نامۂ عنبر شمامہ

کے مندرجات یہ ہیں۔

لِمَنْ اَسْلَمَ مِنْ حَدَسٍ مِنْ لَخْمٍ
وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَآتَی الزَّکٰوةَ وَاَعْطٰی
حَظَّ اللّٰهِ وَحَظَّ الرَّسُوْلِ وَفَارَقَ
الْمُشْرِکِیْنَ فَاِنَّهٗ اٰمِنٌ بِذِمَّةِ اللّٰهِ
وَذِمَّةِ مُحَمَّدٍ وَمَنْ رَجَعَ عَنْ دِیْنِهٖ

قبیلۂ لَخم کے خاندان حَدَس میں سے جو
لوگ اِسلام قبول کر چکے ہیں، انھیں معلوم ہونا
چاہیے کہ ان میں سے جو نماز و زکوٰۃ کا التزام
رکھیں گے نیز خدا کا حصّہ اور اس کے رسولؐ
کا حصّہ بھی ادا کرتے رہیں گے وہ اپنے آپ کو

فَاِنَّ ذِمَّۃَ اللہِ وَذِمَّۃَ رَسُوْلِہٖ مِنْہُ بَرِیْئَۃٌ۔

امن و عافیت میں سمجھیں، اللہ اور محمدؐ ان کے ذمہ دار ہیں۔ لیکن جو افراد، اسلامی عقائد و مسلمات سے روگردانی کریں گے، ان کا نہ خدا حامی ہوگا اور نہ انھیں محمدؐ کی ضمانت حاصل ہوگی۔

——— یہ مکتوب عالی الوثائق السیاسیہ کے صفحہ ۲۴۴ پر اور اسی کتاب کے مطابق اشپرنگر (SPRINGER) ——— کے ہاں بھی جلد ۳، صفحہ ۲۲۳ پر موجود ہے۔ اس کے علاوہ طبقات ابن سعد کی جلد ۱، صفحہ ۲۶۶ پر بھی مرقوم ہے۔

اس دستاویز میں حضورؐ نے خمس کی جگہ "حظّ" تحریر فرمایا ہے۔ حظّ، حصّے کو کہتے ہیں۔ بڑی صاف سی بات ہے۔ زکوٰۃ، عوام الناس کا حصّہ ہے اور خدا اور اس کے رسولؐ کا حصّہ خمس ہے۔

۱۱۔ یہ طے قبیلے کے بنو جُوَین کے واسطے نبی رحمتؐ کا پیامِ امن ہے۔

مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ رَسُوْلِ اللہِ لِبَنِیْ جُوَیْنٍ الطَّائِیِّیْنَ لِمَنْ اٰمَنَ مِنْھُمْ بِاللہِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَفَارَقَ

خدا کے نبی اور اس کے رسول محمدؐ کی طرف سے قبیلہ طے کی جوینی برادری کے ان اشخاص کے نام جو اللہ پر ایمان لا چکے ہیں، اقامت

الْمُشْرِكِيْنَ وَاطَاعَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ	صلات کا فرض انجام دیتے ہیں، زکوٰۃ بھی ادا
اَعْطٰی مِنَ الْمَغَانِمِ خُمُسَ اللهِ وَسَهْمَ	کرتے ہیں، مشرکین سے قطع تعلق کر چکے ہیں۔
النَّبِیِ وَاشْهَدَ عَلٰی اِسْلَامِهٖ فَاِنَّ	خدا اور اس کے رسولؐ کی فرماں برداری
لَهٗ اَمَانُ اللهِ وَمُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ	بھی کرتے ہیں نیز اپنی آمدنیوں میں سے اللہ
وَاِنَّ لَهُمْ اَرْضُهُمْ وَمِيَاهُهُمْ	کی خُمُس اور پیغمبرِ خدا کا حصّہ بھی دیتے ہیں۔ ایسے
وَمَا اَسْلَمُوْا عَلَيْهِ۔	لوگ اللہ اور محمد ابن عبد اللہ کی حفظ و امان

میں ہوں گے۔ نیز ان کی جملہ اراضی، پانی کے ذخیرے اور وہ پورا اثاثہ جو اسلام قبول کرنے کے وقت ان کے تصرف میں تھا اس پر ان ہی کا قبضہ رہے گا۔

حوالے کے لیے ملاحظہ ہو:

ڈاکٹر حمید اللہ کی الوثائق السیاسیّہ صفحہ ۱۷۲

نیز اسی کتاب کے مطابق یہ سند کایتانی (CAETANI) کے ہاں، ۱۰: ۳۷، اور اشپرنگر (SPRINGER) کی کتاب کی تیسری جلد کے صفحہ ۳۹۱ پر بھی مرقوم ہے

علاوہ ازایں طبقات ابن سعد جلد ا صفحہ ۲۶۹ کا مطالعہ بھی سود مند ہوگا۔

۱۲۔ سردارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اعلامیہ قبیلۂ طے کی ایک اور شاخ بنو

مُعاوِیہ بن جرولؔ کو ارسال فرمایا تھا۔ یہ خاندان یثرب کے قریب کوہِ آجا کے دامن میں آباد تھا۔ ان کے کنبے کا حال احوال جمہرۂ ابن حزم کے صفحہ ۴۰۰۔۴۰۱ پر تحریر ہے۔

اس مکتوب عالی میں آنحضرتؐ ارشاد فرماتے ہیں:

هٰذَا كِتَابٌ مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ لِبَنِي
مَعَاوِيَةَ بْنِ جَرْوَلَ الطَّائِيِّينَ
لِمَنْ أَسْلَمَ مِنْهُمْ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ
وَآتَى الزَّكَاةَ وَأَطَاعَ اللهَ وَرَسُولَهُ
وَأَعْطَى مِنَ الْمَغَانِمِ خُمُسَ اللهِ
وَسَهْمَ النَّبِيِّ وَفَارَقَ الْمُشْرِكِينَ
وَأَشْهَدَ عَلَى إِسْلَامِهِ فَإِنَّهُ آمِنٌ
بِأَمَانِ اللهِ وَرَسُولِهِ.

خدا کے پیغمبر محمدؐ کی جانب سے، طائی قبیلے کے بنو معاویہ اور بنو جرول کے نام! ان میں سے جو لوگ مسلمان ہو گئے اور انہوں نے نماز قائم کی، زکوٰۃ ادا کی، خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت شعار بنے رہے، نیز اپنی کمائی میں سے اللہ کی خمس اور اس کے رسولؐ کا حصّہ بھی دیتے رہے، مشرکوں سے اپنے تمام رابطے توڑ دئے اور کھلم کھلا اپنے مسلمان ہونے کا اظہار بھی کرتے رہے اس کردار کے لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کی حفظ و امان میں ہوں گے۔

------ دیکھئے! الوثائق صفحہ ۱۷۰۔ کایتانی۔

(CAETANI) ۔ ۱ : ۳۵۔ اشپرنگر (SPRINGER)

جلد ۳ صفحہ ۳۹۱ اور طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۲۶۹

۱۳- وائِل بن حُجرِ حضرمی، یمن کے علاقے کے رہنے والے ہیں، حِمیر کے حکمران خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ سرکار رسالتؐ کی خدمت اقدس میں باریابی کی سعادت حاصل کرکے مستدعی ہوتے ہیں کہ حضورؐ! ان کی قوم کی رہنمائی کے لیے کوئی منشور عطا فرمائیں۔!

آنحضرتؐ وائل بن حُجر کی درخواست کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے یہ ہدایات زیب قرطاس کرنے کا حکم جاری فرماتے ہیں۔

اِلَی الْاَقْیَالِ الْعَبَاهِلَةِ وَالْاَذْوَاعِ الْمَشَابِیْبِ۔۔۔۔۔۔ وَفِی السُّیُوبِ الْخُمُسَ

(حضرموت کے) وجاہت مند، اور جیالے حکمرانوں کے نام! (اس خطاب کے بعد، پیغمبر اکرمؐ نے زکوٰۃ کے بارے میں بعض احکام پر روشنی ڈالی ہے اور معاً ارشاد ہوتا ہے۔) نیز "سیوب" میں خُمس واجب ہے۔

یہ "سیوب" کیا چیز ہے۔؟ اچھا! قبل اس کے کہ ہم لفظ "سیوب" پر گفتگو کریں یہ بتاتے چلیں کہ جس نامۂ عالی کی بات ہو رہی ہے وہ الوثائق السیاسیّہ کے صفحہ ۱۲۹،

صبح الاعشیٰ قلقشندی جلد ۶ صفحہ ۳۲۱

اور عقد الفرید کی جلد ۲ صفحہ ۴۸ پر مذکور ہے۔

ہاں! آخر میں ایک اور فرمان کا بھی مطالعہ کرلیں۔ اس میں بھی "سیوب" استعمال ہوا ہے۔ اس کے بعد لفظ "سیوب" کے ہر پہلو پر نظر ڈالیں گے۔

۱۴- یہ حکمنامہ بھی حَضْرَ مُوت کے حِمیَری فرماں رواؤں کے نام ہے، اور مسعود بن وُائل حَضرمی کی گزارش پر سرورِ انبیاءؐ نے ترقیم فرمایا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ	بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰہِ اِلَی الْاَقْیَالِ مِنْ حَضْرَمُوْتَ بِاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءِ الزَّکوٰۃِ، وَالصَّدَقَۃِ عَلَی التِّیْعَۃِ وَلِصَاحِبِهَا التِّیْمَۃُ وَفِی السُّیُوْبِ الْخُمُسُ.....	اللہ کے رسول محمدؐ کی جانب سے حضرموت کے حکم فرماؤں کے نام ! —— جو لوگ اس تحریر کے مخاطَب ہیں۔ انھیں نماز کی پابندی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا جاتا ہے۔ زکوٰۃ ان جانوروں پر ہے جو جنگل میں چرتے ہوں اور جو مواشی گھروں پر گھر والوں کی ضرورت پوری کرنے کے لیے بندھے ہوں۔ وہ زکوٰۃ سے مستثنٰی ہیں۔ نیز ''سیوب'' میں خُمس واجب ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے متذکرہ بالا دستاویز کا متن نہیں دیا۔! البتہ موصوف کی کتاب الوثائق السیاسیّہ کے صفحہ ۱۳۰، اور شمارہ، نشان ۱۳۵، پر اس کا حوالہ موجود ہے۔

ہم نے اس وثیقے کا نصّ (TEXT) ابنِ اثیر کی تصنیف اُسُدُ الغَابَہ فی معرفۃ الصّحابہ سے اخذ کیا ہے۔

ملاحظہ ہو۔ جلد ۳، صفحہ ۳۸۔

خیر! اب "سیوب" کے لفظ کی بھی تھوڑی سی وضاحت ہو جائے۔ نہایہ۔ لسان العرب اور تاج العروس، لفظوں کے معنی اور مطلب بیان کرنے والی بہت بڑی بڑی کتابیں ہیں۔ ان میں لکھا ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے وَائل بن حُجر کو جو خط مرحمت فرمایا تھا، اس میں آپ نے ہدایت فرمائی تھی، "وَفِی السُّیُوبِ الخمس"۔ "سُیُوب میں خُمس واجب ہے[1]"۔

قال الزمخشری: السیوب جمع سیب یرید به المال المدفون فی الجاهلیة او المعدن

زمخشری کا بیان ہے "سیوب" رِکاز (زمین میں گڑی ہوئی دولت) یا معدن (MINE) کو کہتے ہیں[2] اس کی مزید تشریح یوں کی گئی ہے۔ السیوب عروق الذهب والفضّة تسبّب فی المعدن، ای تتکوّن فیه وتظهر والسُّیُوب جمع سَیْب، یرید به، ای یرید النَّبِیُّ بالسَّیْبِ، المال المدفون فی الجاهلیّة، او المعدن لانّه من فضل الله تعالیٰ وعطائه۔ لِمَنْ اَصَابَهُ۔ یعنی! سونے، چاندی کی کانوں میں ملنے والے وہ پتھر جن کی رگیں "سیم وزر" کے ذرّات سے بھری ہوتی ہیں۔ یا وہ سنگ پارے جو "نقرہ وطلا" کے اجزاء سے مالا مال ہوتے ہیں۔ انھیں "سیوب" کا نام دیا جاتا ہے۔ "سیوب"، سَیْب کی جمع ہے۔ اس سے پیغمبر اکرمؐ کا مقصد وہ مال و دولت ہے جو اسلام سے پہلے زمین میں چھپا دی گئی ہو، یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ "سیوب" سے ہادئ برحق کی مراد

[1]، [2] تاج العروس زبیدی فصل السیّن من باب البار۔ جلد ا صفحہ ۳۰۵ مطبوعہ بیروت

معدنی ذخائر (MINERAL RESOURCES) ہوں کیونکہ یہ جسے مل جائیں اس کے لیے تو اللہ کی دین، اس کی عطا اور بہت بڑا فضل و کرم ہوگا۔"[1]

اسی سلسلے میں مجد الدّین محمّد بن یعقوب فیروز آبادی، القاموس المحیط میں ترقیم فرماتے ہیں ۔السَّیْب = العَطاء و العُرف ۔ والسُّیُوب = اَلرَّکاز

(فصل السّین ۔باب البار ۔ جلد ا صفحہ ۸۷۔)

سَیْب = بخشش اور کرم کے معنے دیتا ہے۔ نیز "عُرف" کو بھی "سَیْب" کہتے ہیں اور پھر القاموس کے مصنّف "عرف" کے معنے یہ بتاتے ہیں۔

وَالعُرف بالضم، الجود واسم ماتبذله وتعطیه، (فصل العین، باب الفا)

[1] یہ عبارت تو نہایۃ اللغۃ کی ہے — الوثائق السّیاسیّہ کے آخر میں بھی ضمیمے کے طور پر نامہائے مبارک کے بعض تشریح طلب الفاظ کی ایک فہرست ہے اور مختلف مدارک کو سامنے رکھ کر ان کے مفاہیم کی توضیح کی گئی ہے۔ چنانچہ "سیوب" اور سیب کے بارے میں لکھا ہے۔" السّیب ۔العطاء، والسُّیُوب، الرّکاز، والمال المدفون فی الجاھلیۃ او المعدن لانہ من عطاء اللہ"۔ سَیْب "دین" کو کہتے ہیں۔ "سیوب" رکاز کے معنوں میں مستعمل ہے اور جاہلیت کے زمانے کے زمین میں گڑے ہوئے مال کو بھی یہی کہتے ہیں۔ نیز کان (MINE) کے لیے بھی اس لفظ کا استعمال عام ہے۔ کیونکہ یہ عطائے الٰہی ہے —
الوثائق صفحہ ۳۴۴

جلد ۳ صفحہ ۱۷۹۔ عین پر پیش، عُرف، سخاوت، دریا دلی اور اس چیز کو کہتے ہیں جو آپ کسی کو بخش دیں۔

المنجد میں لکھا ہوا ہے۔ "السَّیْب (مص) جمعه سُیُوب = اَلْمَطَرُ الجَارِیُ العَطَاء۔ اَلْمَال۔ النَّافِلَة۔ الرِّکَاز۔ لانسیابھا فی الارض"۔ سَیْب مصدر ہے اس کی جمع سیوب ہے۔ پانی برس رہا ہو۔ بارش ہو رہی ہو تو اسے "سیوب" کہا جائے گا۔ بخشش، مال، دولت اور نافلے کو یہی نام دیا جاتا ہے۔ رکاز یعنی معدنی اشیا، جو زمین میں اندر ہی اندر پھیلتی اور بڑھتی رہتی ہیں ان کو بھی کہتے ہیں۔

—— (المنجد، صفحہ ۳۶۶ سترہواں ایڈیشن)

صاحب المنجد نے سَیْب کے ایک معنی "نافلہ" بھی بتائے ہیں۔ اب یہ "نافلہ" کیا ہے؟ وہ خود ہی تحریر فرماتے ہیں۔ النّافلة (ج) نوافل، ماتفعله ممّا لم یفرض علیك ولم یجب علیك فعله۔ ولد الولد، الغنیمة، العطیه۔ "نافلہ" جس کی جمع نوافل ہے۔ اس کام کو کہتے ہیں جس کا کرنا تم پر فرض نہ ہو، جس کی انجام دہی واجب نہ ہو۔ لڑکے کے لڑکے، یعنی! پوتے کو بھی نافلہ کہا جاتا ہے۔ نیز غنیمت اور عطا کے لئے بھی یہی لفظ آتا ہے۔

—— (المنجد، صفحہ ۸۲۸)

کتبِ لغت کے اس جائزے کے بعد لفظ "سیوب" سے، بس! دو ہی نتیجے نکالے جا سکتے ہیں۔

۱۔ اس سے اللہ کی دین، اس کی عطا، پاک پروردگار کا فضل وکرم اور اس کی نوازش مراد لی جائے ـــــــ تو پھر کاروبار حیات میں سود و بہبود اور نفع و محصول کے بہت سے ایسے شعبے ہیں جنھیں یہ مفہوم اپنے دامن میں سمیٹ لے گا۔ اور ان میں سے اکثر و بیشتر پر خُمسؔ واجب ہوگی!

۲۔ بعض شارحوں کے مطابق "سیوب" میں سے خمسؔ ادا کرنے کا حکم دیتے ہوئے آنحضرتؐ کا منشا یہ تھا کہ اگر کسی آدمی کو زمین میں چھپا ہوا خزانہ مل جاتا ہے یا پھر کسی شخص کو معدنی دولت حاصل ہو جاتی ہے تو اسے خمُسؔ ادا کرنا پڑے گی ـــــــ اب اگر یہ دوسرا مفہوم کسی کے لئے زیادہ قابل قبول ہے تو اس سے یہ حقیقت تو ہر صورت میں ثابت ہو ہی جاتی ہے کہ خمُسؔ کی ادائیگی صرف اس غنیمتؔ تک محدود نہیں، جو میدان جنگ سے دستیاب ہو، بلکہ پوشیدہ خزانوں اور معدنی ثروت کے حصول پر بھی وجوبِ خمُسؔ کا اقرار لازم ہے۔!

۱۰

چند باتیں، اور ــــ!

گزشتہ صفحات میں عہد نبویؐ کی اٹھارہ تحریروں پر گفتگو ہو چکی ہے جن میں سے چار دستاویزیں تو ہم نے "تاریخ کے اوراق" ہیں، اور چودہ وثیقے پچھلے باب میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔

ان تمام مدارک کا مطالعہ کرنے کے بعد نفس مقصد تک پہونچنے کے لئے مزید چند بنیادی حقائق پر توجّہ دینا بہت ضروری ہے۔

(۱) اسلامی جہاد ــــ دور جاہلیت کے عربوں کی روایتی لڑائیوں سے بالکل مختلف ہے۔ عرب، جب چاہتے تھے جنگ کے شعلے بھڑکا دیتے تھے اور جیتنے والے گروہ کا ہر فرد

یہ سمجھتا تھا کہ کلیجے کی پھانس ہو یا جلتے چھپّر کا بانس! جس کے جو ہاتھ لگے وہ اس کا ہے۔!

لوٹ کھسوٹ کے مال میں قبیلے کے سردار کا حصّہ ضرور لگتا تھا۔ باقی اور کسی کا ساجھا نہیں ہوتا تھا — گویا نہ تو آمادۂ جنگ ہونے کے لیے کوئی معقول وجہ ہوتی تھی اور نہ لڑائی میں حاصل ہونے والے مال ومتاع کی تقسیم کا کوئی نظام تھا ۵

---

۵ عربوں کی یہ حالت تھی کہ اگر کسی قبیلے کے مخالف نے اختلاف رکھنے والے خاندان کے کسی آدمی کے اونٹ کو اپنی چراگاہ کی حدود میں چرتے دیکھ کر اسے "پے" کر دیا یا کسی شخص کے خیمے پر بیٹھی ہوئی ٹڈی پکڑلی تو بس! قیامت کھڑی ہوگئی! تلواریں بے نیام ہوئیں اور خون کی ندیاں بہہ نکلیں۔ عرب قبائل کی وہ لڑائیاں جنھوں نے اتنا طول پکڑا کہ بچے، بوڑھے ہوگئے، ان کے محرکات میں یہی سب طفلانہ باتیں شامل تھیں۔

اسی طرح لوٹ، مار کے سلسلے میں ہر وہ کام جائز سمجھا جاتا تھا جس کے تذکرے سے بھی انسان کو شرم محسوس ہو!

کمزور یا ہارے ہوئے لوگوں کا ساز وسامان ہتھیانے کے لیے ان کے ہاں حرب، سلب، نہب، اِغلال اور اسلال وغیرہ نام کے بہت ہی معروف طریقے رائج تھے۔ اور جنگی قیدیوں کے ساتھ ان کا غیر انسانی سلوک تو ناقابلِ بیان ہے۔

بقول علامہ شبلی نعمانی: عرب کی جنگ تو ظلم، توحّش، قساوت، سفاکی، بے دردی اور درندہ پن کا تماشہ گاہ تھی۔ لیکن اعجاز نبوّت سے یہی چیز تمام نقائص سے پاک ہو کر ایک مقدس فرض انسانی بن گئی۔!

سیرۃ النبیؐ۔ جلد ۱، صفحہ ۶۲۵

اس کے برعکس اسلام نے "مملکت" اور اپنی نظریاتی سرحدوں کو تحفّظ فراہم کرنے کے لیے، "مقدّس پیکار" یا "جہاد" کے عنوان سے جو پاک و پاکیزہ تصوّر عطا فرمایا، اس میں ایک واضح دفاعی حکمت عملی (POLICY) رزم آرائی کے سلسلے میں مکمّل قواعد و ضوابط، نبرد آزماؤں کا اخلاقی سلوک، لڑائی کے بعد کا لائحہ عمل، دارالحرب سے حاصل شدہ اثاثوں کے احکام اور جنگی قیدیوں سے متعلق قوانین، وغیرہ شامل ہیں۔

تفصیل کے ساتھ یہ تمام حقائق ہمارے فقہی ذخیرے کی کتاب الجہاد میں مرقوم ہیں۔ انھیں ہم "اسلامی اصول جنگ" بھی کہہ سکتے ہیں۔

اور اس لحاظ سے جب کوئی "حرب و ضرب" کے طور طریقوں کا جائزہ لے گا تو اسے معلوم ہوگا کہ شارع اسلام نے اس میدان میں سب سے پہلا کام تو یہ کیا کہ جنگ و جدل" کے اعلان و اقدام کے حق کو افراد سے لے لیا، اور جہاد کرنے یا نہ کرنیکے فیصلے کو سربراہ مملکت اسلامیہ یعنی پیغمبر اکرمؐ، آپ کے جانشینوں اور غیاب کی صورت میں ان کی "نیابت" کا فرض انجام دینے والے اعاظم اور دوسرے لفظوں میں فقہاء اور مراجع کے خاص اختیارات میں شامل کر دیا۔

بنابریں مسلمان ہوتے ہوئے نہ تو کوئی شخص اور نہ افراد کا کوئی مجموعہ، از خود جنگ چھیڑ سکتا ہے اور نہ جواز شرعی کے بغیر کسی کے لیے لڑائی میں شرکت درست ہوگی! اور جب یہ صورت حال ہو تو پھر اموالِ غنیمت کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟ نیز جب

مال ومتاع ہی نہیں ہوگا تو خُمُس کا کیا مطلب؟

(۲) لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ نبی کریمؐ نے اپنے فرامین کے توسّط سے جہاں جہاں خُمُس ادا کرنے کا حکم دیا ہے وہاں جنگ کے شعلے بھڑکا کر اور قتل و غارت کے ذریعے حاصل ہونے والے اثاثے میں سے پانچواں حصہ طلب نہیں فرمایا۔ بلکہ عوام کو عام حالات اور امن و امان کی فضا میں، کام کاج اور صنعت و تجارت سے جو فائدے ہوں ان ہی کو وجوبِ خمس کا ہدف قرار دیا ہے ۔ غَنَائِم۔ مَغْنَمْ اور مَغَانِمْ سے سرکارِ رسالتؐ کا یہی مقصود ہے۔

ورنہ اگر غنائم اور مغنم وغیرہ سے جنگ کے ذریعے ہمدست ہونے والے منافع باور کرنے پر ہی اصرار رہا تو اس کا مطلب پھر یہ لیا جائے گا کہ ہر شخص کو، ہر وقت اور ہر جگہ یہ چھوٹ مل گئی کہ جب مرضی ہو! جب اس کا جی چاہے! اللہ اکبر کا نعرہ لگائے۔ دس یا پنج آدمیوں کو ساتھ لے اور جنگ شروع کر دے! یا جہاں کہیں بھی مسلمانوں کی کوئی ریاست ہو، وہاں کے جنگجُو افراد غنیمت کی خاطر پاس پڑوس کے علاقوں پر ہلہ بول دیں اور پھر پانچوں گھی میں! لیکن بالفرض اگر یہ عنوان اختیار کیا گیا تو پھر اس سے اجتماعی ترتیب و تنظیم اور ریاستی نظم و نسق سے معاشرے کا کوئی رشتہ استوار نہیں رہے گا۔ انجام کار اس رویئے کے باعث نہ تو کوئی حکومت قائم رہ سکتی ہے اور نہ آئین کی بالادستی کا عمل جاری رہ سکتا ہے البتہ

اس طریقے سے انارکی (ANARCHY) یاطوائف الملوکی قسم کی ایک بڑی بھیانک صورتِ حال سامنے آئے گی جسے اسلام سے منسوب کرنا، اسلام کی روح پر سراسر ظلم ہوگا۔

سرکار رحمۃٌ للعالمینؐ نے اپنے مکاتیب میں امرائے لشکر یا علاقے کے حاکموں، والیوں، عاملوں اور گورنروں کو اس کا حکم نہیں دیا کہ وہ تلوار کی نوک سے غنیمت حاصل کرنے کی راہیں نکال کر خمس وصول کریں اور پھر اسے متعلّقہ افراد یا اداروں تک پہونچادیں۔ بلکہ حضورؐ نے ہمیشہ اور ہر موقع پر افراد ہی کو مکلّف قرار دیا ہے کہ جس طرح نماز پڑھنا واجب ہے اسی طرح قاعدے کے مطابق خمس ادا کرنا بھی لازم ہے اور جب بات افراد کی ٹھیری تو پھر یہ جاننے کے لیے کسی فلسفی کے دماغ کی ضرورت نہیں کہ ـــــــ شارعِ مقدّس نے عامّۃ النّاس کو آسمان سے تارے توڑ کر لانے کا تو پابند نہیں کیا ہوگا۔! بلکہ جو مال لوگوں کے پاس ہے اور جس پر انھیں اختیار حاصل ہے اس پر یا جس سے وہ کمارہے ہیں، بس! اس کے منافع پر خمس واجب قرار دی گئی ہوگی۔

(۳) حضورؐ سردار دوجہاں جب تک اس دنیا میں تھے۔ جہاد اور خمس کے معاملے میں خود ہی فیصلے صادر فرماتے تھے۔

لہٰذا مسلسل حکم ناموں کی ترسیل اور زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ خمس ادا کرنے کی

شدید تاکید کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟ یہی نا! کہ جس طرح زکوٰۃ واجب ہے اور اس کی ادائیگی کے لیے میدان جنگ میں اُتر کر صاحب استطاعت ہونا بالکل ضروری نہیں! اسی طرح خمسؔ بھی واجب ہے اور اس کا وجوب صرف جنگ اور غنائم جنگ کے ساتھ مشروط نہیں کیا گیا۔ بلکہ جنگ میں حاصل ہونے والے فائدے پر بھی خمسؔ واجب ہے۔

سرکار نبیؐ کریمؐ کے عہد زرّیں میں جنگ کے خاتمے پر آنحضرتؐ کے حکم سے بلالؓ یہ اعلان کرتے تھے کہ لڑائی کے دوران "فریق مخالف" کی جس نے جو چیز حاصل کی ہو وہ فوراً لاکر جمع کرادے فَادُّوا الْخَیْطَ وَالْمِخْیَطَ وَاَکْبَرَ مِنْ ذٰلِکَ وَاَصْغَرَ وَلَا تَغُلُّوْا فَاِنَّ الْغُلُوْلَ عَارٌ وَّنَارٌ۔ یعنی! ایک ایک سوئی ایک ایک تاگا لاکر رکھ دو۔ کوئی چھوٹی بڑی چیز چھپا کر نہ رکھنا، یہ کام بڑا شرمناک اور اس کا انجام دوزخ ہے۔ (سنن دارمی، جلد ۲ صفحہ ۲۳۰) پھر اس حکم پر عمل کروانے کی شدت کا اندازہ اس واقعے سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ سامان جمع کروانے کے لیے جس مدّت کا اعلان ہوا تھا۔ اس کے گزر جانے کے بعد ایک شخص نے رحمتِ دو عالمؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی۔

جانم فدایت! مجھے رسّی کا یہ ٹکڑا ملا تھا۔ پیش خدمت ہے۔!

آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا! تم نے منادی نہیں سُنی تھی؟ وہ شخص جواب میں

کہتا ہے۔ جی ہاں! سُنی تھی۔ سرکارِ کائناتؐ کا ارشاد ہوتا ہے۔ "تو بس! پھر جاؤ! یہاں تو اس کے جمع کروانے کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ اب قیامت میں لے کر آنا"۔
سنن ابوداؤد۔ جلد ۲ صفحہ ۳۵۵۔ مطبوعہ۔ لاہور

ملاحظہ فرمایا آپ نے مال و متاعِ غنیمت کے سلسلے میں نظم و ضبط کا عالم! ایک اور عبرتناک واقعہ جو صحیح بخاری کی کتاب الجہاد اور ابن ماجہ کے وقیع مجموعے "السنن" کے باب الغلول میں درج ہے۔ ماجرا یہ تھا۔ کرکرہ نامی ایک شخص آنحضرتؐ کی جانب سے مالِ غنیمت کا نگراں مقرر ہوا۔ تھوڑے عرصہ بعد وہ مرگیا! جب نبی کریمؐ کو اس کے مرنے کی خبر پہونچی تو آپ نے فرمایا۔ "هُوَ فِي النَّارِ" "وہ تو جہنم میں گیا"۔ اور جب لوگ اسے دیکھنے کے لیے پہونچے تو پتہ چلا کہ غنیمت کے سامان میں سے چرائی ہوئی ایک عبا یا چادر اس پر پڑی ہوئی ہے[1]!

(صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۵۲

سنن ابن ماجہ صفحہ ۹۵۰)

سنن ابوداؤد کے حوالے سے علامہ شبلی نعمانی نے اپنی کتاب "سیرۃ النبیؐ" میں ایک اور بڑے معرکے کی بات لکھی ہے۔ عہد جاہلیت کی لڑائیوں کا نقشہ

[1] بیان کیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ جنگ خیبر میں پیش آیا۔ بدلے ہوئے لفظوں کے ساتھ صحیح مسلم اور سنن دارمی میں بھی مذکور ہے۔ نیز سنن ابوداؤد میں بھی موجود ہے۔

کھینچتے ہوئے ترقیم فرماتے ہیں۔ ''دوران جنگ دشمن کے مال اور جائیداد کا لوٹنا بھی عام رواج تھا۔ خصوصاً جبکہ رسد تھڑ جاتی تھی اور کھانے کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا، تو ہر حال میں یہ فعل جائز سمجھا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی سخت ممانعت کی اور سرے سے اس طریقے کو روک دیا۔ ابوداؤد میں ایک انصاری سے روایت ہے کہ ''ایک دفعہ ہم لوگ ایک مہم پر گئے اور غایت تنگ حالی اور مصیبت پیش آئی۔ اتفاق سے بکریوں کا ریوڑ نظر آیا۔ سب ٹوٹ پڑے، اور بکریاں لوٹ لیں۔ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ہوئی۔ آپ موقع پر تشریف لائے، تو گوشت پک رہا تھا اور ہانڈیاں اُبال کھا رہی تھیں۔ آپؐ کے ہاتھ میں کمان تھی، آپ نے اس سے ہانڈیاں اُلٹ دیں! اور سارا گوشت خاک میں مل گیا۔ پھر فرمایا۔ ''لُوٹ کا مال مُردار گوشت کے برابر ہے''[1]

—— (سیرۃ النبیؐ۔ جلد ا صفحہ ۶۳۵-۶۳۶)

(۴) مال غنیمت کے بارے میں اتنی سختی اور اس احساس کو زندہ اور با اثر رکھنے کے

[1] یہ روایت سنن ابوداؤد کی دوسری جلد کے صفحہ ۱۲ پر مرقوم ہے۔

حدیث کے لفظ یہ ہیں۔ ان النَّھبَۃَ لَیْسَتْ بِاَحَلَّ مِنَ الْمِیْتَۃِ

اسی طرح اختلاف الفاظ کے ساتھ مسند احمد بن حنبل کی پانچویں جلد کے صفحہ ۳۶۷ پر بھی یہ روایت درج ہے۔ نجفی

لیے ایسے کڑے اقدامات کہ ایک تنکا بھی اِدھر سے اُدھر نہ ہونے پائے اور اس میں سے ایک تار بھی کسی کا نہیں۔ نیز جب تک آنحضرتؐ خود نہ عنایت کریں اپنے طور پر کوئی ایک جھنجھی کوڑی بھی نہیں لے سکتا۔! اور پھر حضورؐ پُر نور جسے جو مرحمت فرمائیں اسے وہ اپنا حق نہ جانے بلکہ خدا کا انعام سمجھے۔! اب سوال یہ ہے کہ اس قسم کی تعلیم و تربیت کا مقصد کیا تھا؟ قبلاً عرض کیا جا چکا ہے کہ اسلام سے پہلے یہ دنیا والے خاص طور پر عرب کے صحرا نشین رزم آرائی کو اپنا پیدائشی حق اور اس حق کے استعمال کو ایک نفع بخش اور دلچسپ مشغلہ سمجھتے تھے۔ اسی طرح جنگ کے بعد حاصل ہونے والے تمام ساز و سامان کو ذاتی ملکیت تصوّر کیا جاتا تھا۔

دینِ خدا نے جہاں جہاد کو مشروط قرار دے کر جنگ و جدل کے تمام اختیارات سب سے چھین لیے۔ وہاں تیغ آزمائی کے نتیجے میں ہمدست ہونے والے اثاثے کی ملکیت کا جو روائتی حق چلا آ رہا تھا وہ بھی سلب کر لیا اور اس طرح میدانِ کارزار سے جو اشیاء دستیاب ہوتی تھیں، ہر ذہن سے ان کے مالک ہونے کے تصوّر کو ختم کر دیا گیا۔!

اب جہاد کے ذریعے کچھ ملے۔ کسی کو ملے منقولہ یا غیر منقولہ املاک میں سے کوئی چیز کسی کی نہیں! یہ سب اللہ اور اس کے رسُولؐ کی خالصہ ہے۔!

چنانچہ عہدِ رسالتؐ میں اموالِ غنیمت کو ایک جگہ جمع کروا دیا جاتا تھا اور سرکار

پیغمبر کریمؐ اس کی مناسب تقسیم فرماتے تھے۔

اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ، کوئی معرکے میں شریک ہو یا نہ ہو! حبشہ کے مہاجر ہوں یا مکّے کے مؤلفۃ القلوب، رسول مقبولؐ جسے، چاہیں گے اور جو چاہیں عطا فرمائیں گے اور جسے بھی کوئی فیض حاصل ہوگا، وہ پیغمبرؐ کے دستِ مُبارک سے! اور جب یہ کیفیت ہو تو کس کی مجال ہے کہ وہ غنیمت کو اپنی گاڑھی کمائی سمجھے؟

بہر حال! اگر یہ تمام حقائق سامنے ہوں تو کوئی سوچ بھی سکتا ہے کہ سرکار محمد مصطفیٰؐ نے ایک طرف تو جہل آگیں معاشرے کے پروردہ لوگوں کی حوصلہ شکنی کے لیے جنگ اور حاصلاتِ جنگ پر اتنی شدید پابندی لگائی اور اتنا سخت قدغن عائد کیا اور دوسری جانب دنیا جہان کے مسلمانوں کو اپنے فرامین کی وساطت سے اتنی آزادی بخش دی کہ وہ خود کو اپنی مرضی کا مالک جاننے لگیں، جب جی میں آئے معرکۂ کارزار گرم کر دیں۔ خوب ہاتھ رنگیں۔ لوگوں کے گھر تاراج کریں! جس سے جو چاہیں چھین کر رکھ لیں ـــــ اس لیے کہ خمس ملے گی! ـ ہاں! ہاں! خمس! جسے یارانِ طریقت نے جنگ میں ہاتھ آنے والے غنیمت کے چھوٹے سے دائرے میں محدود و مقیّد کر دیا ہے ـــــ معاذاللہ!

دنیا کے منصف مزاج لوگ تو اس خیال کو بھی سرکار رحمۃٌ للعلمین کی فکر و روش" اور دین توحید کے عقائد و مسلّمات" کے ساتھ بہت بڑی بے انصافی قرار

دیں گے ! ۔ کیونکہ رحمت دو عالم نے اس دین کے نظام کو تضادات سے پاک، "امن و عافیت" کا مثالی علمبردار بنایا ہے اور سلام جیسے پیارے میٹھے اور محبت سے بھرپور لفظ کے ذریعہ ہر وقت، ہر جگہ اور لگاتار اسلام کی سنبھلی ہوئی طبیعت کی نمائندگی ہوتی رہتی ہے۔

۱۱

مجامِع حدیث!

مجامع حدیث سے مراد وہ بیش بہا کتابیں ہیں جو سنّت کے لازوال ذخیرے کو سنبھالے ہوئے ہیں اور سنّت، قرآن حکیم کے بعد شریعت الٰہیہ کا بنیادی مأخذ، یا یوں کہہ لیجیے کہ قانون اسلامی کا دوسرا سرچشمہ ہے۔

اپنی اہمیت کے لحاظ سے حدیث کا علم —— اِسلامی علوم کا ایک مستقل، حد درجہ محترم اور انتہائی وسیع علم ہے۔ اس علم کے دامن کی وسعتوں سے متعلق برِ صغیر پاک و ہند کے ایک مشہور و معتبر دانشور نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں:

"علم حدیث کی تکمیل و ترتیب و حفاظت و نصرت کے لیے کم و بیش ایک سو علوم ایجاد ہوئے۔"

(اِسلامی انسائیکلوپیڈیا۔ علم حدیث صفحہ ۱۰۸۶)

اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے علمی خزانے میں سب سے زیادہ اور ہر اعتبار سے بے مثل و نظیر دولت، مجامع حدیث اور علم حدیث سے وابستہ علوم کی کتابیں ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نیز آپؐ کے اہل بیت عصمت و طہارت علیہم السّلام کے ہر قول، ہر فعل اس کے علاوہ کسی اور کی بات یا کام پر ان کی رضایت آمیز خاموشی یا توثیق کا اصطلاحی نام سنّت ہے اور سنّت کے بیان کو حدیث کہتے ہیں۔ نیز اس مفہوم کے لیے خبر اور اثر[1] کے لفظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔

واقعہ یہ کہ حدیثوں کی نعمت یا سنّت معصومین، کتاب خدا کی عملی تصویر ہے۔ قرآنی مطالب کے فہم و ادراک کے لیے ہمارے پاس تنہا وسیلہ حدیث ہے اگر حدیث نہ ہو تو دین کا سارا نظام خوابِ پریشاں بن کر رہ جائے۔!

کوئی حکم ہو۔ کوئی قاعدہ ہو۔ کوئی ضابطہ ہو، قرآن، زندگی کے کسی شعبے کی

---

[1] ابن حجر عسقلانی کی کتاب نخبۃ الفکر کے شارح علی القاری لکھتے ہیں۔ کہ اثر، خبر اور حدیث میں یہ فرق ہے۔ "حدیث رسولؐ کے ساتھ مختص ہے اور یہی سنت ہے۔ مگر اثر فقہار کی زبان میں اسلاف یا بزرگوں کی بات کے لیے بھی مستعمل ہے۔" "نخبۃ الفکر" صفحہ ۱۶۔ مگر ہمارے مطالعے کے مطابق، اثر کے لفظ میں عمومیّت ہے اور شیعی نقطۂ نظر سے قول معصوم، فعل معصوم اور تقریر معصوم کو حدیث یا سنّت کہتے ہیں۔ نجفی

بات کرے، "عربی لغت" کے سہارے اس کے صحیح خدوخال کا پتہ نہیں چلایا جاسکتا ۔۔۔ اب آپ "عبادت" ہی کا کوئی عنوان لے لیجیے۔ صلوٰۃ، صوم، زکوٰۃ خمس، حج، جہاد ۔! "حدیث وسنّت" کی مدد کے بغیر ان میں سے کسی بھی موضوع کی عملی شکل وصورت واضح نہیں ہوتی ۔!

اسی لیے تمام علماء وفقہاء کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ اگر کوئی شخص حدیثوں سے بے نیاز ہونے کی کوشش کرے تو پھر اس کے پاس قرآن مجید کے مطلوبہ ہدف اور شریعت اسلامیّہ کے حقیقی اغراض ومقاصد تک پہونچنے کے لیے اور کوئی متبادل راستہ نہیں ۔!

یہ ٹھیک ہے کہ زمانے کے نشیب وفراز نے حدیث کی ساکھ کو بہت نقصان پہونچایا۔ لوگوں نے بڑی زیادتیاں کیں۔ لیکن جب اہلِ دانش وبینش کو ہوش آیا تو حدیث کو تحفظ دینے کی فکر لاحق ہوئی اور ایک حد تک "تلافیٔ مافات" کی کوشش کی گئی! مگر اس میں بھی تنگ نگاہی کا دامن نہیں چھوڑا گیا اور اس حقیقت کے پیش نظر بہت سے راویوں اور روایتوں دونوں کے بارے میں علامتی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے۔ ؎

سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہونگی جو پنہاں ہوگئیں

اسلامی "انسائیکلوپیڈیا"، کے مرتب تحریر فرماتے ہیں: "حدیث کی تدوین ۹۹ھ میں باضابطہ ہوئی۔ اس سے پہلے صحابۂ کرام کے پاس فرامین نبوی موجود تھے۔ بعض ایسے بھی جو خود آنحضرتؐ نے لکھوائے۔ بعض صحابہ کے لکھے ہوئے تھے حضرت عمر بن عبد العزیز نے کتابت حدیث کو بڑی شدت سے محسوس کیا۔ کیونکہ کچھ پیشہ ور لوگ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ کہہ کر ناجائز فائدہ اٹھانے لگے تھے۔ اس "وضع حدیث" کے سدباب کے لیے حضرت عمر بن عبد العزیز نے امام المحدثین حضرت امام زہری کو مامور کیا۔ یہ "تدوین حدیث"، کا پہلا مرحلہ ہے۔"

(اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔ علم حدیث۔ صفحہ ۱۰۸۶)

مگر تدوین کے "پہلے مرحلے" کے آغاز تک یعنی اس سوا سو سال سے زیادہ طویل مدت میں "حدیث"، پر کیا گزر گئی، کیا بیت گئی۔؟ کون بتائے اور یہ سارا قصۂ درد کس کو سُنائے۔؟

بہر کیف! "حدیث"، کے سلسلے میں بھی "مدرسۂ آلِ محمدؐ"، کے اپنے خاص امتیازات ہیں۔ اس مکتب کے رکھوالوں نے شروع دن سے خونِ جگر دے کر حدیث کے نشو ونما میں بھرپور حصہ لیا۔ اسی لیے ان کے ہاں نہ کبھی تاریخی تسلسل ٹوٹتا ہے، نہ کسی جگہ وقت آڑے آتا ہے۔ نہ کوئی وقفہ ہوتا ہے۔ نہ زنجیر کی کوئی کڑی نکلتی ہے

نہ کوئی راوی کہیں جھکتا ہے۔ نہ روایت کسی موقع پر خم کھاتی ہے۔ بات جس طرح چلی۔اسی عنوان سے بڑھی اور اپنی اصلی حالت پر رہی! بنابریں نہ کوئی حدیث کو جنس بازار بنا سکا اور نہ اس کے محافظوں پر اپنا حکم چلا سکا۔!

مکتب اہل بیت سے تخصیص رکھنے والی حدیثوں کے اعتبار و اعتماد کی جانچ پڑتال کے لیے جب ہم مصدر و ماخذ، روایت و درایت، متن و سند، حُسن و صحت، مدارج و مراتب اور تواتر و تسلسل جیسے علمی اور فنی مصطلحات پر نظر ڈالتے ہیں تو اوّلین مرحلے پر خود حضور نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا یہ حکم محکم دل و دماغ کو علم آشنا بنا کر آلِ محمدؐ کے آستانے پر "مشغول حق" رہنے کی تربیت دیتا ہے،

سرکار ختمی مرتبت کے اس ارشاد گرامی کو ہم تک پہونچانے کے ذمّے دار حافظ ابنِ حجر مکّی (متوفی ۹۷۴ھ) ہیں۔ موصوف اپنی مشہور کتاب "الصواعق المحرقة" کے صفحہ ۱۳۵ باب وصیۃ النبیؐ" میں رقمطراز ہیں:۔

فَلَا تُقَدِّمُوْهُمَا فَتَهْلِكُوْا، وَلَا تَقْصِرُوا عَنْهُمَا فَتَهْلِكُوا، وَلَا تُعَلِّمُوْهُمْ فَاِنَّهُمْ اَعْلَمُ مِنْكُمْ۔

لوگو! قرآن و اہلِ بیت سے آگے بڑھنے کی نہ سوچنا،
اور اگر تم ذرا بھی ان سے آگے نکلے تو مٹ کر رہ جاؤ
گے، اور ان کو چھوڑنے کی بھی کوشش نہ کرنا۔ ادھر

تم نے انھیں چھوڑا اُدھر تباہی و بربادی نے تمھیں
آلیا۔ نیز یاد رکھو! ان کے سامنے تم اپنے علم و فضل
کا بھی اظہار نہ کرنا، کیونکہ یہ تم سب سے زیادہ
بڑے دانشور ہیں۔

اور پھر حضورؐ کا یہ فرمان واجب الاذعان بھی اطمینان خاطر کے لیے اطاعت اور امتثال امر کے غیر معمولی جذبے تخلیق کرتا ہے۔ اس کے راوی امام محمدؐ باقر علیہ السّلام کے صاحبزادے احمد ہیں[1]۔ جو اپنے پدر بزرگوار اور وہ اپنے آبائے طاہرینؑ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں۔

عن احمد بن محمد بن علی الباقر
عن آبائہٗ

قال: قال رسول اللہ (ص) لعلیؑ	"حضور نبی کریمؐ نے علیؑ سے فرمایا:۔
اکتب ما املی علیک" قال:	"جو میں کہتا جاؤں وہ تم لکھتے جاؤ"۔ علیؑ نے

---

[1] صاحب ریاض العلماء لکھتے ہیں کہ اصفہان کے نزدیک مسجد شاہ بقعہ کے پہلو میں جو مزار ہے۔ اس کی لوح پر خطِ کوفی میں لکھا ہوا ہے۔ "یہ احمد بن علی بن امام محمدؐ باقر کی قبر ہے۔" اس کا مطلب یہ ہوا کہ حدیث کے راوی، پانچویں امام کے بیٹے نہیں بلکہ پوتے تھے۔ نجفی

"یانبّی الله! اتخاف علیّ النّسیان؟
قال: "لستُ أُخاف علیك
النّسیان وقد دعوت الله
لك أن یحفظك ولاینسیك
ولكن اكتب لشركائك: قال:
" قلتُ ومن شركائی یانبیّ الله؟
قال: الائمّة من ولدك،
بهم تسقی امّتی الغیث،
وبهم یستجاب دعاؤهم،
وبهم یصرف الله عنهم
البلاٰ وبهم تنزل الرّحمة
من السّماء" واومیٰ الی
الحسَنؑ. وقال: "هذا اولهم"
واومیٰ الحسینؑ وقال "الائمّة
من ولده".

عرض کی: اللہ کے رسولؐ! کیا آپ کو یہ
اندیشہ ہے کہ میں بھول جاؤں گا؟ آنحضرتؐ
نے ارشاد فرمایا: "نہیں! اس کے لیے
تو میں خدا سے دُعا مانگ چکا ہوں کہ خلّاقِ
عالم تمہارے حافظے کو ہمیشہ صحیح سلامت
رکھے اور تم کبھی بھول چوک سے دوچار
نہ ہو۔ لکھنے کی ہدایت تو اس لیے کر رہا ہوں
کہ یہ تحریریں تمہارے شرکائے کار تک
پہونچ جائیں۔" "علیؑ کہتے ہیں یہ سُن کر
میں نے گزارش کی۔" "یارسول اللہ! میرے
شرکائے کار کون ہیں ــ؟ سرکار رسالتؐ
نے فرمایا: "وہ امام جو تمہاری نسل سے ہونگے
ان ہی کے طفیل میری امّت کو بارانِ رحمت
نصیب ہوگی، ان ہی کے ذریعے اس کی
دعائیں قبول ہونگی، ان ہی کی وجہ سے خدا
اسے بلاؤں سے محفوظ رکھے گا اور ان ہی کے سبب آسمانوں سے رحمت نازل ہوگی"۔

"اس کے بعد پیغمبر اکرمؐ نے حسنؑ کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا: "یہ اس سلسلے کی پہلی فرد ہیں"۔ پھر آپ نے حسینؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا" اور باقی آئمہ ان کی ذریت سے ہوں گے۔

—— الامالی۔ محمد ابن الحسن الطوسی۔
(متوفی ۴۶۰ھ) جلد ۲ صفحہ ۵۶۔
بصائر الدرجات۔ محمد ابن الحسن الصفّار
(متوفی ۲۹۰ھ) صفحہ ۳۰۱۔ ینابیع المودۃ۔
الشیخ سلیمان القندوزی الحنفی (متوفی ۱۲۹۴ھ) صفحہ ۲۰

نیز خود آئمہ اہل بیتؑ کی رفتار، گفتار اور کردار میں وہ مثالی نقوش ہیں، وہ نمونے کے آثار ہیں، اور وہ یگانۂ روزگار قدریں ہیں جنھیں آنکھوں سے لگانا عزّتِ نفس اور دل میں بسانا انسان کی معراج ہے!

جابر بن یزید جُعفی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرکار باقر العلوم حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے مجھے مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

یا جابر! واللہ لو کنّا نحدّث النّاس أو حدثناھم برأینا لکُنّا من الھالکین ولکنّا نحدّثھم بآثارٍ عند نا من رسول اللہ (ص) یتوارثھا کابرٌ عن کابرٍ۔ نکنزھا کما یکنز ھؤلاء ذھبھم وفضّتھم۔

"اے جابر! اگر ہم خلق خدا کو اپنی بات سناتے یا رسولؐ کی امت کو اپنی رائے پر چلاتے، تو اب تک ہلاک ہو چکے ہوتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے آخری نبیؐ کے آثار کا جو ذخیرہ ہمارے پاس ہے۔ بس! اسی سے لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ یہ بڑوں سے بڑوں کو ورثے کے طور پر ملتا ہے!۔ اور ہم اسی طرح اسے اپنے کلیجے سے لگائے رہتے ہیں، جس طرح یہ دنیا والے اپنے "سیم وزر" کو بڑی حفاظت سے سینت سینت کر رکھتے ہیں!"

———— (بصائر الدرجات۔ صفحہ ۲۹۹)

خیر! بات تھی مجامع حدیث کی۔ اس ضمن میں ہمارے ملک کے ممتاز قلمکار اور دیدہ ور مصنّف مولانا غلام رسول مہر سعیدی کا خیال ہے۔

احادیث کی ترتیب اور تہذیب کا جو کام ابن شہاب زہری نے شروع کیا تھا، اس کام کو ان کے مایہ ناز تلامذہ برابر آگے بڑھاتے رہے، یہاں تک کہ دوسری صدی کے آخر میں ان کے ایک نامور شاگرد امام مالک بن انس اصبحی نے احادیث کو باب وار ترتیب دیکر پہلا مجموعہ حدیث، موطا کے نام سے پیش کر دیا۔

موطا امام مالک کے علاوہ امام اعظم نے اپنی مردیات کو کتاب الآثار کے نام سے پیش کیا جس کو ان کے لائق اور قابلِ صد فخر تلامذہ نے الگ الگ روایت کیا ہے ان حضرات کے علاوہ دوسری صدی کے جن دوسرے متعدد بزرگ

مصنّفین نے فنِ حدیث میں کتابیں پیش کی ہیں ان میں سے بعض کی کتابیں یہ ہیں۔ سنن ابوالوحید ۱۵۱ھ جامع سفیان ثوری ۱۶۱ھ مصنف ابی سلمۃ ۱۶۷ھ مصنّف ابی سفیان ۱۹۷ھ جامع سفیان بن عینیہ ۱۹۸ھ اور تیسری صدی کے جن مصنّفین نے حدیث کی کتابیں، مرتب کی ہیں ان میں سے بعض حضرات کی تصنیفات یہ ہیں۔ کتاب الاُمّ للشافعی ۲۰۴ھ مسند احمد بن حنبل ۲۴۱ھ الجامع الصحیح للبخاری ۲۵۶ھ الجامع لمسلم ۲۶۱ھ سنن ابوداؤد ۲۷۵ھ الجامع للترمذی ۲۷۹ھ سنن ابنِ ماجہ ۲۷۳ھ

(مقدّمہ بخاری شریف مترجم صفحہ ۴۷۔ مطبوعہ۔ لاہور)

ہاں! اگر مدرسۂ اہلِ بیتؑ میں "حدیث" کی حفاظت وصیانت کا انتظام بالواسطہ نہیں بلکہ براہ راست ہوتا رہا۔! قبلاً عرض کیا جا چکا ہے کہ آنحضرتؐ، جناب علیؑ مرتضیٰ کو اپنے ارشادات لکھوا دیا کرتے تھے۔ یہی تحریریں، الاحکام الجامعہ، کتاب الجفر اور مصحفِ فاطمہؑ نام کے وہ علمی مجموعے ہیں جو وراثتاً آلِ نبیؐ اور اولادِ علیؑ کو دستیاب ہوئے۔ اور یہ سب بزرگ ہر دور میں اس متاعِ عزیز پر اپنی جان چھڑکتے رہے۔!

معلّٰی بن خنیس، امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ امیرالمؤمنین علیہ السّلام کے پاس جو کتابیں تھیں، عراق جاتے ہوئے آپ نے انھیں جناب اُمّ سلمہ

کے پاس امانتاً رکھوادیا تھا۔ جناب امیرؑ کی شہادت کے بعد وہ کتابیں امام حسنؑ کو ملیں اور امام حسن مجتبیٰؑ سے امام حسین علیہ السّلام تک پہونچیں اور پھر امام زین العابدینؑ کے پاس آئیں، نیز بعد ازاں یہ ورثہ میرے پدر بزرگوار امام محمد باقرؑ کو حاصل ہوا۔

(بصائر الدرجات صفحہ ۱۶۲)

فضیل، امام محمد باقر علیہ السّلام کی زبانی بیان کرتے ہیں:

امام حسین علیہ السّلام جب عراق کی جانب روانہ ہونے لگے تو آپ نے اپنا وصیت نامہ اور اپنی کتابیں وغیرہ امّ المؤمنین جناب اُمّ سلمہ کے سپرد کر کے ان سے یہ تاکید کی تھی کہ جب میرا بیٹا آپ کے پاس آئے تو یہ سب اس کے حوالے کر دیجیے گا۔ چنانچہ حضرت سید الشہداءؑ کی شہادت کے بعد جب امام زین العابدینؑ مدینے واپس پہونچے تو جناب امّ سلمہ نے وہ تمام امانتیں امام کو دے دیں۔

(بحار الانوار جلد ۴۶ صفحہ ۱۸

مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴ صفحہ ۱۷۲)

عیسیٰ بن عبد اللہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے والد کی سند سے ناقل ہیں کہ: سیّد سجّاد حضرت علی ابن الحسین علیہ السّلام کے سفرِ آخرت سے پہلے آپ کے تمام فرزند آپ کے پاس موجود تھے۔ حضرت نے ان سب کے سامنے امام محمد باقر علیہ السّلام کی طرف متوجہ ہو کر کہا: "اے محمّد! یہ صندوق جو رکھا ہوا ہے اُسے اٹھا کر تم اپنے گھر لے جاؤ۔" اس کے بعد امام

زین العابدین علیہ السّلام نے فرمایا: "اس میں درہم و دینار نہیں ہیں۔ البتہ یہ علم سے بھرا ہوا ہے"۔

(اصول کافی، جلد اصفحہ ۳۰۵۔

اعلام الوری۔ صفحہ ۲۶۰)

زرارہ کہتے ہیں: صادق آل محمدؑ امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا: امام محمدؑ باقرؑ کی رحلت سے قبل ان کی تمام کتب مجھے مل گئی تھیں"۔

(بصائر الدرجات۔ صفحہ ۱۵۸)

ظریف بن ناصح، کی روایت ہے یہ کہتے ہیں: ایک مرتبہ میں حسین بن زید کے ہمراہ تھا۔ ان کے ساتھ ان کے صاحبزادے علی بھی تھے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام ہمارے پاس سے گزرے۔ سلام کیا۔ جواب سلام دیا۔ آگے بڑھ گئے! اس موقع پر میں نے جناب حسین بن زید کی خدمت میں عرض کی۔ میری جان آپ پر فدا! یہ بتائیے کہ حضرت موسی بن جعفرؑ، قائم آلِ محمدؐ سے واقف ہیں؟

جناب حسین بن زید نے جواب دیا: "اس دنیا میں اگر کوئی ان کے بارے میں آگاہی رکھتا ہے تو وہ صرف یہ ہیں"۔ پھر فرمانے لگے۔ "اور بھلا یہ قائم آلِ محمدؐ کو کیوں نہیں جانیں گے! یہی تو ہیں جن کے پاس علی ابن ابی طالب علیہ السّلام کی تحریر اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لکھوائے ہوئے وثائق ہیں"

(التعلیقات۔ محمد باقر بہبہانی، صفحہ ۱۸۶)

الحاصل یہ "ورثہ" ایک امام سے دوسرے امام کو منتقل ہوتا رہا۔ اور آخر میں علم کا یہ خزانہ بارہویں رہبر، حضرت ولّی عصرؑ، قائمِ آلِ محمدؐ عجل اللہ فرجہ کو ملا ——— لیکن! ایک اور حقیقت جسے ہمیشہ ذہن میں رکھنا بہت ضروری ہے۔ وہ یہ کہ مکتب اہلبیتؑ کے ہونہار شاگردوں نے آئمہ طاہرینؑ سے جو فیض حاصل کیا تھا اس کی نشر و اشاعت میں انھوں نے بڑی جانکاہی اور انتہائی اخلاص کا ثبوت دیا ہے۔

جناب امیر علیہ السّلام کے عہد سے لے کر، امام زمانہ کی غیبت تک گلشنِ معرفت کے یہ خوشہ چیں احادیث معصومینؑ کو دور دور تک پہونچانے کی مہم کے ساتھ ان کی جمع و تدوین کے کام میں بھی دن رات اپنی توانائیاں صرف کرتے رہے۔

یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں کہ جناب امیرؑ نے مسجد کوفہ میں جس جامعہ کی بنیاد ڈالی تھی، دیکھتے ہی دیکھتے اس نے عالمی شہرت رکھنے والے ایک عظیم ادارے کی شکل اختیار کر لی۔!

اس دانش گاہ میں تمام اعلیٰ مضامین کی تدریس ہوتی تھی اور جملہ ضروری مباحث کی تخلیق و ترسیم کے لیے تربیت دی جاتی تھی۔ چنانچہ اس دار العلوم میں کئی نئے موضوع متعارف ہوئے اور متعدد عناوین کو پہلی مرتبہ باضابطہ طریقے سے سپرد قلم کیا گیا۔ مثلاً اس ادارے کے ایک نامور طالب علم، مشہور ادیب ابوالاسود دؤلی نے اپنے رہنما کی ہدایت پر خود ہی عربی زبان کے قواعد **(ARABIC GRAMMAR)** کا خاکہ تیار کیا اور پھر اس میں مناسب رنگ بھرے اور اس طرح عربی نحو و صرف کی صرف بنیاد ہی نہیں پڑی بلکہ علماء اور فضلاء

کو مزید کام کرنے کے لیے ایک خیال انگیز نمونہ (MODEL) بھی دستیاب ہو گیا۔!

نیز اسی اکادمی کے ایک سعادت مند فارغ التحصیل ابو رافع قبطی نے سب سے پہلے کتاب السنن والاحکام والقضایا تصنیف کی۔ کتاب کی شکل میں یہ "مجموعہ حدیث" کا نقش اوّل، اور پہلی پیش کش ہے۔

اور پھر بے شمار سیاسی، سماجی اور اقتصادی مشکلوں اور مزاحمتوں کے باوجود اس مرکز کو اتنی وسعت حاصل ہوئی کہ صادق آل محمدؐ کے دور زرّیں میں یہ درسگاہ چار ہزار شیوخ (SCHOLARS) کے ضوفگن ذہنوں سے سجی ہوئی دکھائی دیتی ہے[1]!

ان وقتوں میں طالب علموں کی اتنی بڑی تعداد تو ایران کی قدیم ترین یونیورسٹی جندیسابور کو بھی نہیں نصیب ہوئی!

تیسری صدی ہجری کے مشہور ادیب، صاحب نظر مورّخ اور بے مثل انشا پرداز ابوعثمان الجاحظ کا یہ خیال تھا کہ "امام جعفر صادق علیہ السّلام نے ایسا کارنامہ انجام دیا۔ جس کے باعث پوری دنیا میں فکر و فرہنگ کا سیلاب آ گیا[2]۔! اور ابن حجر مکّی کہتے ہیں "اس ایوان علم و آگہی کا نام اور کام شہر شہر اور کارواں، کارواں سرگرم سفر رہتا تھا[3]۔!

---

[1] تاریخ الکوفہ۔ البراقی۔ صفحہ ۴۰

[2] رسائل الجاحظ۔ السندوبی۔ صفحہ ۱۰۶

[3] صواعق محرقہ۔ ابن حجر۔ صفحہ ۱۲۰

نیز ہمیں یاد پڑتا ہے کہ گزشتہ صدی کے اواخر اور اس صدی کے اوائل کی ایک برجستہ اور روشن دماغ شخصیّت جسٹس سید امیر علی معتزلی نے بھی اپنی شہرۂ آفاق اور پڑھنے کے قابل کتاب دی اسپرٹ آف اسلام (THE SPIRIT OF ISLAM) میں اسی قسم کا تاثّر دیا ہے۔

پھر علم و بصیرت کا یہ رحمت بداماں، دل آویز آبشار، ایک نہایت فکر انگیز اور اثر آفرین نشر گاہ کا بھی کام دے رہا تھا! اس کا فیضان، صرف ان دانش آموزوں تک ہی محدود نہیں رہا جو اس کے دامن سے وابستہ تھے۔ بلکہ اس کے طفیل میں دوآبۂ دجلہ و فرات کی سرزمین پر رہنے بسنے والے قبیلے کے قبیلے، اور خاندان کے خاندان، فہم و ادراک کے کانٹے پر تلنے لگے!

ہماری تاریخ، آلِ حیّان تغلبی۔ آل اعین۔ بنو درّاج اور بنو عطیّہ جیسے باسواد گھرانوں کے تذکرے کو آج بھی اپنے ماتھے کا جھومر سمجھتی ہے۔

بہر حال! دبستان آل محمدؐ کے وہ دانشمندان گرامی جو پروانوں کی طرح سر ہتھیلی پر لئے امامت کی شمع فروزاں سے روشنی جذب کرتے رہتے تھے۔ ان ہی کی مساعیٔ جمیلہ اور تحقیقات عالیہ کے نتیجے میں وہ چار سو مقالے (THESES) قلم بند ہوئے، جنھیں ہمارے علماء اور فقہاء اصول اربعمائۃ کے نام سے یاد فرماتے ہیں۔!

اور یہی وہ چار سو رسالے یا مقالے ہیں جن کی اساس پر تیسری صدی ہجری کے نصف

آخر میں ثقۃ الاسلام ابو جعفر محمد بن یعقوب الکلینی (متوفی ۳۲۸ھ) نے بیس[20] سال کی لگاتار محنت سے اپنی جامع کتاب الکافی ترقیم فرمائی۔ الکافی کے تین حصّے ہیں۔ اصول کافی۔ فروع کافی اور روضۂ کافی۔ اصول کا حصّہ، دین کے بنیادی نظریات۔ کلامی دلائل چہاردہ معصومین کے حالات نیز اخلاقی اور اجتماعی مسائل پر مشتمل ہے۔ فروع میں طہارت سے لے کر دیات تک تمام فقہی ابواب سموئے ہوئے ہیں۔ اور روضۂ کافی میں آنحضرتؐ کے خطبات، آئمہؑ کے مکاتیب، تاریخ آدم و عالم کے کچھ مقتبسات اور بعض دوسری ضروری باتیں تحریر ہیں ـــــ "الکافی" ۱۶۰۹۹ حدیثوں کا مجموعہ ہے۔

اس کے بعد محمد ابن علی بن بابویہ قمیؒ معروف بہ صدوقؒ (متوفی ۳۸۱ھ) نے اسی صدی میں مزید تلاش و جستجو سے کام لے کر اپنی بیش قیمت کتاب "من لا یحضرہ الفقیہ" لکھی۔ اس میں ۹۸۴۴ احادیث کا ذخیرہ ہے۔

پس ازاں محمد ابن الحسن الطوسی (متوفی ۴۶۱ھ) نے پانچویں صدی کے نصف اوّل میں دو گراں بہا مجموعوں کا اضافہ کیا۔ "تہذیب" اور "استبصار" "تہذیب" میں ۱۳۰۹۵ حدیثیں ہیں اور استبصار ۵۵۱۱ حدیثوں کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے

مکتب اہل بیتؑ سے تعلق رکھنے والے، ان "مجامع حدیث" کو کتب اربعہ کہتے ہیں۔ استنباط احکام کے سلسلے میں بڑی حد تک فقہاء کی نگاہیں ان ہی کتابوں پر مرکوز رہتی ہیں۔ مگر ان مجموعوں کے علاوہ اور بھی بڑے پائے کی کتابیں ہیں۔ جیسے: ـــــ

وسائل الشیعہ شیخ محمد ابن حسن حرّ عاملی (متوفی ۱۰۳۳ھ)

الوافی۔ محمد محسن فیض کاشانی (متوفی ۱۰۱۹ھ)

بحار الانوار۔ علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۱۱۱ھ)

حبل المتین۔ شیخ بہاء الدین عاملی (متوفی ۱۰۳۱ھ)

مستدرک الوسائل۔ حاج میرزا حسین نوری (متوفی ۱۳۲۰ھ)

جامع احادیث الشیعہ۔ آیۃ اللہ سید حسین بروجردی (متوفی ۱۳۸۰ھ)

وغیرہ۔ وغیرہ۔!

دیکھئے! اس تمہید کا صرف یہ مقصد تھا کہ اجمالی طور پر مجامع حدیث کا تعارف ہو جائے۔ حدیث کی تاریخ کے کچھ گوشے سامنے آجائیں۔ حدیث کی اہمیّت کے بارے میں اگر کسی کو کوئی غلط فہمی ہے تو وہ نہ رہے۔ جمع و تدوین حدیث کی صبر آزما روداد بھی زبان قلم سے دل کی گہرائیوں تک پہونچ جائے۔ تاکہ ہم اپنے اس پر افتخار ورثے کے ساتھ انصاف کرنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھیں اور یہ یاد رہے کہ حدیث کا استخفاف پورے دین کی اہانت ہے اور اس میں ذرا سا شک بھی آدمی کو ہدایت کی ہر روشنی سے محروم کر دیتا ہے۔

اچھّا! تو، اب ذرا "مسئلہ خمس" کے سلسلے میں اِن "مجامع حدیث" کا مطالعہ کر لیا جائے۔ اس ضمن میں پہلے تو ہم سوادِ اعظم کی "امہات کتب" یعنی بنیادی کتابوں پر ایک نظر ڈالتے ہیں اور ابتداء، محمد بن اسمٰعیل بخاری (متوفی ۲۵۶ھ) کی الجامع الصحیح (صحیح بخاری)

سے کرتے ہیں۔ کیونکہ "صحاح ستہ" میں بخاری کو جو مقام حاصل ہوا وہ کسی اور مجموعے کو نہیں مل سکا۔

پھر ـــــ عقیدت مند کہتے ہیں کہ: "کتاب اللہ کے بعد صحیح بخاری سے زیادہ صحیح کتاب روئے زمین پر موجود نہیں ہے۔"

بخاری نے چار ابواب میں کھل کر خُمسؔ کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں سے کتاب کی تین عبارتیں ہم اس باب میں شامل کر رہے ہیں اور ایک عبارت اگلے باب میں پیش کریں گے "جامع الصّحیح" میں پہلے تو "کتاب الایمان" میں خُمسؔ کی بات آئی ہے۔ اس کے بعد "کتاب العلم" میں یہ عنوان نظر آتا ہے۔ بعد ازاں ـــ "کتاب اخبار الآحاد" میں یہ حدیث مذکور ہے۔

خیال رہے! کہ حدیث ایک ہی ہے۔ مگر بخاری متعدد راویوں اور مختلف اسناد سے روایت کرتے ہیں۔ یہ ان کا مزاج ہے۔

چنانچہ ایک مقام پر ناقل، علی بن الجَعد ہیں۔ جو شعبہ سے، اور وہ ابو حمزہ کی زبانی بیان کرتے ہیں۔ دوسرے موقع پر راوی، محمّد بن بشّار ہیں۔ اور تیسری جگہ اگرچہ کہ روایت کنندہ، علی بن الجعد ہیں مگر اس میں پہلے راوی "مالک بن حویرث ہیں اور ایک تیسرے ناقل اسحاق کا بھی نام ہے۔ جو نصر کے ذریعے بات کو آگے بڑھاتے ہیں۔

کتاب الایمان میں جو حدیث ہے اس کا متن یہ ہے:

بَابُ اَدَاءُ الْخُمُسِ مِنَ الْاِيْمَانِ

خمس کا ادا کرنا ایمان ہے۔

۵۱۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِي جَمْرَةَ قَالَ كُنْتُ اَقْعُدُ مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ فَيُجْلِسُنِي عَلٰى سَرِيْرِهٖ فَقَالَ اَقِمْ عِنْدِي حَتّٰى اَجْعَلَ لَكَ مِنْ مَالِي فَاَقَمْتُ مَعَهٗ شَهْرَيْنِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا اَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ الْوَفْدُ قَالُوْا رَبِيْعَةُ قَالَ مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ اَوْ بِالْوَفْدِ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامٰى فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا لَا نَسْتَطِيْعُ اَنْ نَاْتِيَكَ اِلَّا فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هٰذَا الْحَيُّ مِنْ كُفَّارِ مُضَرَ فَمُرْنَا بِاَمْرٍ فَصْلٍ نُخْبِرْ بِهٖ مَنْ وَّرَآءَنَا وَنَدْخُلْ بِهِ الْجَنَّةَ وَسَاَلُوْهُ عَنِ الْاَشْرِبَةِ فَاَمَرَهُمْ

ابو جمرہ کا بیان ہے کہ میں حضرت ابن عباس کے پاس بیٹھتا تو وہ مجھے اپنے تخت (خاص) پر بٹھا لیتے، انھوں نے (ایک بار) مجھ سے فرمایا تم میرے پاس رہ جاؤ میں تمہیں اپنے مال میں سے کچھ دیدونگا غرض میں دو ماہ ان کے پاس رہا پھر فرمانے لگے۔ (قبیلہ) عبدالقیس کے لوگ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے ان سے فرمایا تم کس قوم کے ہو یا کس جماعت کے ہو؟ بولے ہم ربیعہ کے خاندان سے ہیں، فرمایا خوش آمدید "غیر خزایا و لا ندامٰی" پھر انھوں نے عرض کیا ہم بجز ماہ حرام کے (کسی اور وقت) آپ کے پاس حاضر نہیں ہو سکتے، (کیونکہ) ہمارے اور آپ کے درمیان مضر (کافر) قبیلہ ہے، لہٰذا آپ ہمیں کوئی ایسی چیز بتا دیں جو ہم اپنے ان ساتھیوں کو تعلیم دیں جو یہاں نہیں آئے اور

بِاَرْبَعٍ وَّنَهَاهُمْ عَنْ اَرْبَعٍ اَمَرَهُمْ	ہم سب اس پر عمل پیرا ہو کر جنّت میں جا سکیں
بِالْاِیْمَانِ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ قَالُوا اللّٰهُ وَ	اور انھوں نے مشروبات کی بابت بھی پوچھا آپ
رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ	نے انہیں چار چیزوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے
اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ	منع فرمایا انہیں حکم دیا کہ ایک خدا پر ایمان
اِقَامُ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءُ الزَّكٰوةِ وَصِیَامُ	لائیں اور فرمایا تم جانتے ہو ایک خدا پر ایمان
رَمَضَانَ وَاَنْ تُعْطُوْا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمُسَ	کس طرح ہوتا ہے؟ انھوں نے کہا اللہ اور
وَنَهَاهُمْ عَنْ اَرْبَعٍ عَنِ الْحَنْتَمِ	رسول بہتر جانتے ہیں، فرمایا، اس بات کی گواہی
وَالدُّبَّآءِ وَالْمُقَیَّرِ وَالْمُزَفَّتِ وَرُبَّمَا	دینا کہ بجز اللہ کے کوئی لائق بندگی نہیں اور
قَالَ اَحْفَظُوْهُنَّ وَاَخْبِرُوْا بِهِنَّ مَنْ	محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں (اور
وَّرَآءَكُمْ :::	انھیں حکم دیا، نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے اور رمضان

کے روزے رکھنے کا اور یہ کہ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ (خمس) نکالا کرو اور چار چیزوں سے منع فرمایا حنتمؔ دباؔ اور مزفّت یا مقیّر سے (یہ خاص قسم کے ظروف ہیں جن میں شراب نوشی ہوا کرتی تھی) آپ نے فرمایا ان باتوں کو یاد کر لو اور دوسروں کو تعلیم دو۔

صحیح بخاری - جلد ا صفحہ ۱۱۸ - مطبوعہ - لاہور -

اور کتاب العلم میں جو روایت درج ہے۔ اس کی عبارت نیچے تحریر ہے:۔

بَابُ تَحْرِيضِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلَى اَنْ يَّحْفَظُوا الْاِيْمَانَ وَالْعِلْمَ وَيُخْبِرُوا مَنْ وَّرَآءَهُمْ وَقَالَ مَالِكُ ابْنُ الْحُوَيْرِثِ قَالَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ (وآلہ) وَسَلَّمَ ارْجِعُوْا اِلٰى اَهْلِيْكُمْ فَعَلِّمُوْهُمْ:۔

قبیلہ عبد القیس کے وفد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ترغیب دلانا کہ ایمان اور علم کی حفاظت کریں اور جو لوگ پیچھے رہ گئے ہیں انھیں خبر کر دیں اور مالک بن حویرث نے کہا کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلّم نے فرمایا تھا کہ اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ اور انہیں دین سکھاؤ:۔

۸۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا غُنْدُرٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَنْ اَبِیْ جَمْرَةَ قَالَ كُنْتُ اُتَرْجِمُ بَيْنَ ابْنِ عَبَّاسٍؓ وَبَيْنَ النَّاسِ فَقَالَ اِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ اَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ (وآلہ) وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنِ الْوَفْدُ اَوْ مَنِ الْقَوْمُ قَالُوْا رَبِيْعَةُ قَالَ مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ اَوْ بِالْوَفْدِ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامٰى قَالُوْا اِنَّا نَاْتِيْكَ مِنْ شُقَّةٍ بَعِيْدَةٍ وَّبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هٰذَا

حضرت عبد اللہ بن عبّاس فرماتے ہیں کہ کہ عبد القیس کے قاصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آئے آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ کس کے بھیجے ہوئے ہیں وہ بولے ہم (قبیلہ ربیعہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپنے فرمایا اس وفد کو خوش آمدید جسے رسوائی اور ندامت نہیں۔ انھوں نے عرض کیا ہم لوگ دور سے آئے ہیں اور ہمارے آپ کے درمیان

الحَيُّ مِن كُفَّارِ مُضَرَ وَلَا نَسْتَطِيعُ أَنْ
نَّأْتِيَكَ إِلَّا فِي شَهْرٍ حَرَامٍ فَمُرْنَا بِأَمْرٍ
نُّخْبِرُ بِهِ مَنْ وَّرَاءَنَا نَدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ
فَأَمَرَهُمْ بِأَرْبَعٍ وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ
أَمَرَهُمْ بِالْإِيمَانِ بِاللهِ وَحْدَهُ قَالَ
هَلْ تَدْرُونَ مَا الْإِيمَانُ بِاللهِ وَحْدَهُ
قَالُوا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ
قَالَ شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ
وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ وَإِقَامُ الصَّلٰوةِ
وَإِيتَاءُ الزَّكٰوةِ وَصَوْمُ رَمَضَانَ
وَتُؤْتُوا الْخُمُسَ مِنَ الْمَغْنَمِ وَنَهَاهُمْ
عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ قَالَ شُعْبَةُ
وَرُبَّمَا قَالَ النَّقِيرُ وَرُبَّمَا قَالَ الْمُقَيَّرُ
قَالَ احْفَظُوهُ وَأَخْبِرُوهُ مَنْ وَّرَاءَكُمْ

مضر کا ایک کافر قبیلہ حائل ہے، ہمارے لیے
ممکن نہیں کہ ماہ حرام کے علاوہ آپ کے پاس
آسکیں لہٰذا ہمیں کچھ ایسی باتیں بتائیں جو ہم
اپنے پیچھے والوں کو بتا سکیں اور ہم جنّت میں
داخل ہوجائیں آپ نے انہیں چار چیزوں کا حکم دیا
ایک خدا پر ایمان لانے کا اور پوچھا اس کا کیا مطلب
ہے؟ انھوں نے کہا اللہ اور رسولؐ بہتر جانتے
ہیں آپ نے فرمایا (اس کا مطلب یہ ہے کہ)
اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود
نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلّم) اللہ کے
رسول ہیں اور (انہیں حکم دیا) نماز پڑھنے،
زکوٰۃ دینے اور رمضان کے روزے رکھنے کا
اور (یہ بھی فرمایا) کہ خمس نکالیں اور انہیں دُبّا
'حنتم' اور مزفّت سے منع فرمایا شعبہ کہتے
ہیں ابو حمزہ کبھی نقیرؔ اور کبھی مقیّرؔ کہتے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان باتوں کو یاد کرلو اور اپنے پیچھے
والوں کو مطلع کردو،

— صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۳۴۔ مطبوعہ لاہور۔

نیز اخبار الآحاد کی کتاب میں جو ارشاد رسول ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:-

بَابُ وُصَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ (وَاٰلِهٖ) وَسَلَّمَ وُفُوْدَ الْعَرَبِ اَنْ يُّبَلِّغُوْا مَنْ وَّرَآءَهُمْ قَالَهٗ مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ وَحَدَّثَنِيْ اِسْحَاقُ اَخْبَرَنَا النَّضْرُ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِيْ جَمْرَةَ قَالَ: كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يُقْعِدُنِيْ عَلٰى سَرِيْرِهٖ فَقَالَ اِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا اَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَيْهِ (وَآلِهٖ) وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ الْوَفْدُ؟ قَالُوْا رَبِيْعَةُ، قَالَ: مَرْحَبًا بِالْوَفْدِ وَالْقَوْمِ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامٰى قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ كُفَّارَ مُضَرَ فَمُرْنَا بِاَمْرٍ نَّدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ وَنُخْبِرُ بِهٖ مَنْ وَّرَآءَنَا فَسَاَلُوْا عَنِ الْاَشْرِبَةِ فَنَهَاهُمْ عَنْ اَرْبَعٍ وَ

حضور کا عرب کے وفود کو وصیت کرنا کہ یہ باتیں اپنے پچھلوں تک پہنچا دیں۔ اس کو مالک بن حویرث نے بیان کیا ہے۔

ابو حمزہ کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما انہیں اپنے تخت پر بٹھا لیا کرتے تھے وہ فرماتے ہیں کہ جب عبد القیس کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو فرمایا۔ یہ کن کا وفد ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ربیعہ کا فرمایا کہ اس وفد اور قوم کو خوش آمدید۔ یہ نہ رسوا ہوں نہ شرمسار۔ وہ عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ! ہمارے اور آپ کے درمیان کفار مضر آباد ہیں۔ پس ہمیں ایسی باتوں کا حکم فرمائیے جن سے ہم جنت میں داخل ہو جائیں اور جو ہمارے پیچھے ہیں انہیں بھی بتا دیں۔ پھر انہوں نے پینے کے بارے

اَمَرَھُمْ بِاَرْبَعٍ اَمَرَھُمْ بِالْاِیْمَانِ بِاللّٰہِ، قَالَ: ھَلْ تَدْرُوْنَ مَا الْاِیْمَانُ بِاللّٰہِ؟ قَالُوا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ شَہَادَۃُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَاِقَامُ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءُ الزَّکٰوۃِ، وَاَظُنُّ فِیْہِ صِیَامُ رَمَضَانَ، وَتُؤْتُوا مِنَ الْمَغَانِمِ الْخُمُسَ- وَنَھَاھُمْ عَنِ الدُّبَّآءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ وَالنَّقِیْرِ وَرُبَمَا قَالَ الْمُقَیَّرُ قَالَ احْفَظُوْھُنَّ وَاَبْلِغُوْھُنَّ مَنْ وَّرَآءَکُمْ ؎

میں دریافت کیا تو آپ نے انہیں چار چیزوں سے منع کیا اور چار باتوں کا حکم فرمایا یعنی اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ اللہ پر ایمان لانا کیا ہے؟ عرض گزار ہوئے کہ اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا کہ اس بات کی گواہی دینا کہ نہیں کوئی معبود مگر اللہ وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور میرے خیال میں یہ بھی کہ رمضان شریف کے روزے رکھنا اور مال غنیمت سے پانچواں حصہ ادا کرنا اور انہیں کدو کے تونبے، سبز لاکھی برتن، رال کے ظروف اور کھدائی کیے ہوئے لکڑی کے برتنوں سے منع فرمایا اور کہیں النقیرؔ کی جگہ المقیرؔ کا لفظ آیا ہے اور فرمایا کہ یہ باتیں اپنے اُن لوگوں تک بھی پہنچا دینا جو تمہارے پیچھے ہیں۔

——— صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۷۸۹۔ مطبوعہ لاہور

ہاں! یہ درست ہے کہ مسلمانوں کا ایک خاصا بڑا طبقہ بخاری ہی کو صحیح ترین کتاب سمجھتا ہے۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ بہت سے لوگ مسلم کو بخاری پر ترجیح دیتے ہیں۔ مثلاً

حافظ ابوعلی نیشاپوری جیسے بزرگ محدث کہتے ہیں۔ "صحیح مسلم، صحیح بخاری سے بھی زیادہ صحیح ہے۔"

بہر حال! "کم و بیش" کا حساب ہمارا موضوع نہیں۔ ہمارے لیے تو دونوں کتابیں ایک جیسی ہیں۔!

چنانچہ خمس کے سلسلے میں، امام مسلم بن حجاج قشیری (متوفی ۲۶۱ھ) نے اپنی صحیح میں "کتاب الایمان" ہی کے صفحات پر تین مختلف راویوں کے حوالے سے تین جگہ عبدالقیس کے وفد کا تذکرہ کیا ہے۔ بخاری کے حوالوں سے واضح ہو چکا ہے کہ حضور نبی کریمؐ نے اس وفد کو جو ہدایات دی تھیں ان میں آپ نے نماز اور زکوٰۃ کے ساتھ خمس کی ادائیگی کو بھی واجب قرار دیا تھا۔

اختصار کے پیش نظر ہم یہاں صرف ایک روایت کا متن درج کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو:——

صحیح مسلم۔ جلد ا۔ از صفحہ ۹۳ تا صفحہ ۹۸۔ مطبوعہ لاہور

بَابُ الْاَمْرِ بِالْاِيْمَانِ بِاللهِ تعالىٰ وَرَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ (وَآلِهٖ) وَسَلَّمَ وَشَرَائِعِ الدِّيْنِ وَتَبْلِيْغِهٖ مَنْ لَمْ يَبْلُغْهُ	باب۔ اللہ اُس کے رسولؐ اور دینی احکام پر ایمان لانے کا حکم، ——اس کی طرف لوگوں کو بُلانا، دین کی باتیں پوچھنا، یاد رکھنا اور دوسروں تک پہنچانا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ (وَآلِهٖ) وَسَلَّمَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّا هٰذِهِ الْحَيَّ مِنْ رَّبِيْعَةَ وَقَدْ حَالَتْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ كُفَّارُ مُضَرَ وَلَا نَخْلُصُ إِلَيْكَ إِلَّا فِيْ شَهْرِ الْحَرَامِ فَمُرْنَا بِأَمْرٍ نَّعْمَلُ بِهٖ وَنَدْعُوْا إِلَيْهِ مَنْ وَّرَاءَنَا قَالَ آمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ وَّأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ الْإِيْمَانُ بِاللّٰهِ ثُمَّ فَسَّرَهَا لَهُمْ فَقَالَ شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَإِقَامُ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءُ الزَّكٰوةِ وَأَنْ تُؤَدُّوْا خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ عبد القیس کا ایک وفد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ (و آلہ) وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! ہم ربیعہ کے قبیلہ سے ہیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان مضر کا کافر قبیلہ حائل ہے اور حرمت والے مہینوں کے علاوہ دوسرے زمانے میں ہم آپ تک نہیں پہونچ سکتے! لہٰذا آپ ہمیں کوئی ایسی ہدایت فرمائیں جس پر ہم خود بھی عمل پیرا ہوں اور اپنے دوسرے لوگوں کو بھی اس پر عمل کرنے کی دعوت دیں ـــــــ آپ نے فرمایا تم کو حکم دیتا ہوں چار باتوں کے لیے اور منع کرتا ہوں چار باتوں سے، پھر، آپ نے توضیح کرتے ہوئے فرمایا کہ گواہی دو اس بات کی کہ کوئی معبود برحق نہیں سوا خدا کے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول ہیں، نیز نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اپنی کمائی میں سے خُمس ادا کرو۔

ابو عیسیٰ محمد بن سورہ ترمذی (متوفی ۲۷۹ھ) امام بخاری کے شاگردوں میں سے

ہیں۔ ان کے بارے میں امام حاکم نے عمرو بن مالک کا ایک قول بیان کیا ہے کہ: محمد بن اسمٰعیل بخاری کے بعد، ابوعیسیٰ، اعلم اوزہد و ورع میں آپ اپنی مثال تھے۔ جامع ترمذی کو محدثین نے الصحیح کا نام دیا ہے۔ "صحاح ستّہ" میں صحیح مسلم کے بعد اسے دوسرا مقام دیا جاتا ہے۔ ——— (اسلامی انسائیکلوپیڈیا صفحہ ۴۹۸)

جامع ترمذی کے "باب الایمان" میں بھی عبدالقیس کے وفد کی آمد اور آنحضرت نے اس وفد کے ارکان کو جو ہدایات فرمائی تھیں، ان کی تفصیل درج ہے۔ اور ان ہی ہدایات میں خمس کی بھی بات ہے۔ ملاحظہ ہو۔———

جامع ترمذی۔ حصّہ دوم صفحہ ۱۹۸ مطبوعہ۔ لاہور

بَابُ مَاجَآءَ فِی اَضَافَةِ الْفَرَائِضِ اِلَی الْاِیْمَانِ	باب ——— فرائض ایمان میں داخل ہیں۔
عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ (وَآلِهٖ) وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اِنَّا هٰذَا الْحَیُّ مِنْ رَبِيْعَةَ وَلَسْنَا نَصِلُ اِلَيْكَ اِلَّا فِی الشَّهْرِ الْحَرَامِ فَمُرْنَا بِشَیْءٍ نَاْخُذُهٗ عَنْكَ وَنَدْعُوْا اِلَيْهِ	روایت ہے ابنِ عبّاس سے وہ کہتے ہیں کہ عبدالقیس کا وفد رسول خدا صلے اللہ علیہ (وآلہ) وسلّم کے پاس آیا اور عرض کی کہ ہم ربیعہ سے ہیں اور ہمارے آپ کے درمیان ایک قبیلہ حائل ہے۔ لہٰذا ہم اس کے سبب آپ کی خدمت میں ہمیشہ حاضر نہیں ہو سکتے۔

مَنْ وَرَآءَنَا فَقَالَ اٰمُرُكُمْ بِاَرْبَعٍ اَلْاِیْمَانُ بِاللّٰهِ ثُمَّ فَسَّرَهَا لَهُمْ شَهَادَةُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوةِ وَاَنْ تُؤَدُّوْا خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ ۔

ہماری حاضری صرف حرمت کے مہینوں میں ممکن ہے۔ اس لیے آپ ہم کو کوئی ایسا حکم دیں جس پر ہم بھی کاربند رہیں اور دوسروں کو بھی دعوت عمل دے سکیں۔ حضور نے فرمایا میں چار چیزوں کا حکم دیتا ہوں، اوّل ایمان لانا اللہ تعالیٰ پر، پھر تفسیر فرمائی آپ نے ایمان کی کہ ایمان گواہی دینا ہے اس امر کی کہ کوئی معبود برحق نہیں سوائے اللہ کے اور میں اس کا رسول ہوں۔ اور نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا نیز غنیمت میں سے خُمُس کی ادائیگی۔

اور اب ذرا سنن ابوداؤد کی ورق گردانی بھی ہو جائے۔ مگر پہلے یہ بتاتے چلیں کہ، امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی (متوفی ۲۷۵ھ) امام بخاری اور مسلم کے بعد تمام آئمہ حدیث میں سب سے زیادہ بڑے مقام اور مرتبے کے مالک ہیں۔ یحیٰی بن ذکریا ساجی کہتے ہیں: "اسلام کی بنیاد قرآن کریم اور اس کا ستون ابوداؤد ہے۔" اور ابنِ عربی کی رائے ہے کہ "دین کے مقدمات کا علم حاصل کرنے کے لیے کتاب اللہ اور سنن ابوداؤد کافی ہیں۔

دیباچہ۔ سنن ابوداؤد۔ از:
مولانا حکیم عبدالحکیم خاں اختر مطبوعہ لاہور

سنن ابو داؤد میں مختلف جگہوں پر خُمس کا تذکرہ ہوا ہے۔ مثلاً تیسری جلد کے صفحہ ۱۱۵ پر دوسرے محدثین کی طرح انھوں نے بھی عبد القیس کے وفد کی سرکار رسالت مآب کی خدمت میں باریابی کی تفصیلات دی ہیں اور اس حدیث میں خُمسؔ ادا کرنے کا بھی حکم ہے۔ چونکہ مذکورہ روایت کا متعدد بار حوالہ آچکا ہے۔ بنابریں ہم اس کو درج کرنے کے بجائے یہاں ایک اور حدیث کی عبارت نقل کرتے ہیں۔

یہ روایت سنن ابو داؤد کی دوسری جلد۔ کتاب الخراج صفحہ ۷۱ پر دیکھی جاسکتی ہے۔

حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ نَاقُرَّةُ قَالَ سَمِعْتُ يَزِيْدُ بْنَ عَبْدِ اللهِ قَالَ كُنَّا بِالْمِرْبَدِ فَجَاءَ رَجُلٌ اَشْعَثُ الرَّأْسِ بِيَدِهٖ قِطْعَةُ اَدِيْمٍ اَحْمَرَ فَقُلْنَا كَاَنَّكَ مِنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ قَالَ اَجَلْ قُلْنَا نَاوِلْنَا هٰذِهِ الْقِطْعَةَ الْاَدِيْمَ الَّتِيْ فِيْ يَدِكَ فَنَاوَلْنَاهَا فَقَرَأْنَا مَا فِيْهَا فَاِذَا فِيْهَا مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ (وَاٰلِهٖ) وَسَلَّمَ اِلٰى بَنِيْ زُهَيْرِ	یزید بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ ہم مربد کے مقام پر تھے تو ایک آدمی آیا جس کے ہاتھ میں سرخ چمڑے کا ایک ٹکڑا تھا۔ ہم نے کہا کہ شاید یہ دیہاتی ہے۔ اس نے کہا کہ یہی بات ہے ہم نے کہا کہ یہ چمڑے کا ٹکڑا ہمیں دے دیجیے جو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ پس ہم نے وہ لے لیا اور اسے پڑھا تو اس میں یہ تحریر تھا۔" اللہ کے رسول محمدؐ صلی اللہ تعالیٰ علیہ (وآلہ) وسلم کی طرف سے بنی زہیر بن اقیش

بن اُقَیش اَنّکُمْ اِنْ شَہِدْتُمْ اَنْ لَآ	کے لیے۔ اگر تم اس بات کی گواہی دو کہ نہیں
اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ	کوئی معبود مگر اللہ اور محمد اللہ کے رسول ہیں
وَاَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ وَ	اور نماز قائم کرو۔ اور زکوٰۃ دیا کرو اور غنیمتوں
اَدَّیْتُمُ الْخُمُسَ مِنَ الْمَغْنَمِ وَسَہْمَ	میں سے خمس دیا کرو نیز نبی کریم صلی اللہ
النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ (وَآلِہٖ) وَسَلَّمَ	تعالیٰ (وآلہٖ) وسلّم کا حصّہ اور چھانٹنے کا حصّہ (صفی) تو
وَسَہْمَ الصَّفِیِّ اَنْتُمْ اٰمِنُوْنَ بِاَمَانِ	تم امان میں ہو گے یعنی اللہ اور رسُول کی امان
اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَقُلْنَا مَنْ کَتَبَ لَکَ	میں۔ ہم نے کہا کہ یہ تحریر تمہیں کس نے لکھ دی
ھٰذَا الْکِتَابَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی	ہے۔ اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ
اللّٰہُ علیہ (وَآلِہٖ) وَسَلَّمَ۔	علیہ (وآلہٖ) وسلّم نے۔

اور لیجیے یہ سنن نسائی ہے۔ حافظ علی بن عمر کہتے ہیں کہ "امام عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی علم حدیث میں اپنے تمام ہمعصروں پر فائق تھے۔" حافظ ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں کہ: "نسائی، نقد رجال میں حد درجہ محتاط، معتمد اور اپنے تمام معاصرین پر مقدّم تھے۔" نیز فنّ رجال میں ماہرین کی ایک جماعت نے امام نسائی کو امام مسلم بن حجّاج پر ترجیح دی ہے۔ ان کی سنن "صحاح ستّہ" میں انتہائی اہم حیثیت رکھتی ہے۔

ماخوذ، از مقدمہ سنن نسائی مترجم مطبوعہ لاہور

سنن نسائی میں بھی "اداء الخمس" کے زیر عنوان عبد القیس کے وفد سے متعلق حدیث مرقوم ہے۔ جس میں وجوب خُمس کا فرمان ہے۔

ملاحظہ ہو۔ ——— سنن نسائی۔ جلد سوم۔ صفحہ ۳۷۸۔ مطبوعہ لاہور

حدیث کا متن یہ ہے۔ ———

خمس کی ادائیگی	اَدَاءُ الْخُمُسِ
——— سیدنا حضرت ابن عبّاس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ قبیلہ عبد القیس کے بعض لوگ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے کہ ربیعہ کا یہ قبیلہ ہے اور ہم آپ کی خدمت میں رجب، ذیقعد، ذوالحجۃ اور محرم کے سوا حاضر نہیں ہو سکتے (کیونکہ درمیان میں قبیلہ مضر کے کفار تھے جو ان مہینوں کے سوا لوٹتے) تو آپ ہمیں کسی ایسے عمل صالح کا حکم فرمائیں جو ہم خود بھی کریں اور اپنی آنے والی نسلوں کو بھی بتائیں حضور	عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اِنَّ هٰذَا الْحَيَّ مِنْ رَبِيْعَةَ وَلَسْنَا نَصِلُ اِلَيْكَ اِلَّا فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ فَمُرْنَا بِشَيْءٍ نَاخُذُهٗ عَنْكَ وَنَدْعُوْا اِلَيْهِ مَنْ وَّرَائَنَا فَقَالَ اٰمُرُكُمْ بِاَرْبَعٍ وَّاَنْهَاكُمْ عَنْ اَرْبَعٍ اَلْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ ثُمَّ فَسَّرَهَا لَهُمْ شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامُ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءُ الزَّكٰوةِ وَاَنْ تُؤَدُّوْا

اِلَیٰ خُمُسُ مَا غَنِمْتُمْ وَ اَنْهَاکُمْ عَنِ الدُّبَّآءِ وَ الْحَنْتَمِ وَ الْمُقَیَّرِ وَ الْمُزَفَّتِ. انور صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم نے فرمایا۔ میں تمہیں چار باتوں کا حکم دیتا ہوں۔ اور چار باتوں سے منع کرتا ہوں۔ میں جن چار باتوں کا حکم دیتا ہوں وہ یہ ہیں۔ اللہ پر ایمان لانا اس کی مزید تشریح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ایک تو اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور میں اللہ کا بھیجا ہوا ہوں۔ دوسرا نماز پڑھنا۔ تیسرا زکوٰۃ ادا کرنا۔ چوتھا جو تمہیں مال غنیمت ملے اس میں سے پانچواں حصہ (خمس) مجھے دو۔ اور میں تمہیں کدو کی تونبی۔ لاکھی برتن، رال لگے ہوئے ظروف جیسے مقیر اور مزفت) کے استعمال سے منع کرتا ہوں۔

فن حدیث کے "آئمہ ستہ" میں امام حافظ ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجۃ الربعی (متوفی ۲۷۳ھ) کا نام سب سے اخیر میں آتا ہے۔ ان کی کتاب کی افادیت اور مقبولیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ جب امام ابن ماجہ نے اپنی تصنیف مکمل کرنے کے بعد حافظ ابو زرعہ کی خدمت میں پیش کی تو وہ اس کو دیکھ کر بے ساختہ پکار اُٹھے کہ اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں پہونچ گئی تو اس دور کی اکثر جوامع اور مصنفات بیکار اور معطل ہو کر رہ جائیں گی۔

(از ـــ دیباچہ۔ سنن ابن ماجہ۔ مطبوعہ۔ لاہور)

جن اشیاء پر خمس واجب ہے۔ ابن ماجہ نے ان میں سے صرف ایک چیز کا ذکر کیا ہے اور وہ ہے معدن یا کان۔

چنانچہ سنن ابن ماجہ کی دوسری جلد کے صفحہ ۹۴-۹۵ پر اس سلسلے میں دو حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔

آپ ذیل میں ان دونوں روایتوں کی عبارت کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

بَابُ مَنْ اَصَابَ رِكَازًا	کان ملنے کا بیان
حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَيْمُوْنَ الْمَكِّيُّ وَهِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ قَالَا ثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيْدٍ وَاَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ (وَاٰلِهٖ) وَسَلَّمَ قَالَ فِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ۔	محمد بن میمون المکی، ھشام بن عمار، ابن عینیہ زہری اور ابی سلمہ کہتے ہیں ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم نے ارشاد فرمایا کان میں۔ (خمس) پانچواں حصہ ہے۔
حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ ثَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ عَنْ اِسْرَائِيْلَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (صلى الله) عَلَيْهِ (وَاٰلِهٖ) وَسَلَّمَ فِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ۔	بقول نصر بن علی، ابو احمد، اسرائیل، سماک اور عکرمہ، ابن عباس فرماتے ہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ (وآلہ) وسلم نے فرمایا کان میں سے پانچواں حصہ۔ (خُمس) واجب الادا ہے۔

اچھا! یہاں تک جو حدیثیں ترقیم کی گئیں وہ سب سوادِ اعظم کے "صحاح ستّہ" سے ماخوذ تھیں۔

اب سلسلۂ اہل بیت رسالتؑ سے جو روایتیں وارد ہوئی ہیں ہم ان کے بیان کا بھی شرف حاصل کرتے ہیں۔

مجامع حدیث میں "وسائل الشیعہ" ہماری بڑی معتبر، بے حد مستند اور انتہائی جامع کتاب ہے۔

تقریباً سوا تین سو سال سے یہ مجموعۂ حدیث شیعوں کے تمام فقہی اداروں کے لیے اعتماد کی علامت بنا ہوا ہے۔

"وسائل"۔ محدّث متبحر الشیخ محمد ابن الحسن الحرّ العاملی (متوفی ۱۱۰۴ھ) کی انمول پیش کش ہے۔

حقیقت یہ کہ محدّث گرامی اور محقّق کامل، محمد محسن فیض (متوفی ۱۰۹۱ھ) نے اپنے تحقیقی مساعی کو "الوافی" کی شکل میں جہاں تک پہونچایا تھا، شیخ حرّ عاملی نے اپنے کام کو اس کے آگے سے شروع کیا۔ چنانچہ "وسائل الشیعہ" صرف کتب اربعہ یعنی۔ الکافی۔ من لایحضرہ الفقیہ۔ تہذیب اور استبصار کے جملہ مطالب ہی کو نہیں بلکہ اکمال الدین الخصال۔ المقنعہ۔ بصائر الدّرجات۔ ثواب الاعمال۔ المحکم والمتشابہ قرب الاسناد۔ علل الشرائع۔ عیون الاخبار۔ عدۃ الدّاعی۔ المحاسن اور تحف العقول

جیسی بڑی کتابوں کے ذخیرے کو بھی اپنے دامن میں سنبھالے ہوئے ہے۔ نیز اس کے علاوہ اس بیش بہا تصنیف کی وسعتوں میں اس کے جلیل القدر مصنّف کی محنت شاقّہ کے اور بھی بہت سے شاہکار ہیں۔

اس وقیع کتاب کو مکتبۂ اسلامیہ تہران کے سلیقہ مند ناشروں نے ۱۳۹۷ھ میں بڑی سج دھج کے ساتھ بیس ۲۰ جلدوں میں دوبارہ شائع کیا ہے۔

وسائل کی چھٹی ۶ جلد زکوٰۃ اور خمس وانفال سے مختص ہے۔ نیز خمس وانفال کا حصّہ جو پچاس صفحات اور پندرہ ابواب پر مشتمل ہے اس میں خمس وانفال سے متعلّق کوئی ایک سو اٹھاون حدیثیں ہیں۔

بہر حال! ہم اپنی کتاب کی گنجائش کو دیکھتے ہوئے ان تمام احادیث کو تو ان صفحات میں نہیں سمو سکتے۔ البتّہ! چند روایات آپ تک پہونچانے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

قانونِ خُمس کی ہمہ گیری

(۱) عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واخراج الخمس من کل مایملکہ احد من الناس۔

(۱) سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے (ایک طویل ارشاد میں) ماثور ہے۔ جو چیز بھی انسان کی ملکیت میں آئے اس میں سے اسے خُمس نکالنا چاہیے۔

——(جامع الاحادیث۔ جلد ۸ صفحہ ۵۴۹۔ ماخوذ از: طرائف۔ سیّد ابن طاؤس)

کم و بیش تمام فائدوں پر خمس واجب ہے،

(۲) محمّد بن یعقوب، عن علی بن ابراھیم، عن ابیہ، عن ابی عمیرؒ، عن الحسین بن عثمان، عن سماعۃؒ قال: سألت ابا الحسن علیہ السّلام عن الخمس، فقال: فی کل ما افاد

(۲) محمد ابن یعقوب، علی بن ابراہیم سے وہ اپنے باپ سے، وہ ابوعمیر سے، وہ حسین بن عثمان سے اور وہ سماعہ بن مہران سے ناقل ہیں کہ: ایک مرتبہ انھوں نے (سماعہ بن مہران نے) امام موسیٰ کاظمؑ سے خُمس کے

الناس من قلیل اوکثیر۔

بارے میں سوال کیا۔ امامؑ نے جواب دیا: ان تمام فائدوں میں جو انسان کو حاصل ہوں، کم یا زیادہ ان پر خمس واجب ہے۔

(وسائل جلد ۶۔ باب ۸۔ حدیث شمارہ ۶ صفحہ ۳۵۰)

ہر طرح کی آمدنی سے خمس نکالنا چاہیئے

(۳) محمد بن الحسن باسنادہ عن سعد بن عبد اللہ، عن ابی جعفر، عن علی بن مہزیار، عن محمد بن الحسن الاشعری۔ قال: کتب بعض اصحابنا الی ابی جعفر الثانیؑ۔ اخبرنی عن الخمس۔ أعلیٰ جمیع مایستفید الرّجل من قلیل وکثیر من جمیع الضروب وعلی الضیاع وکیف ذلك؟ فکتب بخطہ (علیہ السّلام) الخمس بعد المؤنۃ۔

(۳) محمد بن الحسن، سعد بن عبد اللہ سے وہ ابو جعفر سے، وہ علی بن مہزیار سے اور وہ محمد بن الحسن الاشعری کے ذریعے بیان کرتے ہیں کہ ہمارے کچھ دوستوں نے نویں امامؑ کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا جس میں یہ گزارش تھی۔ مولا! بتایئے کیا خمس ہر کم و بیش فائدے۔ ہر قسم کی کمائی اور ہر طرح کی آمدنی پر واجب ہے؟
امام محمد تقی علیہ السّلام نے جواب میں اپنے قلم سے تحریر فرمایا۔ سال بھر کا خرچہ

نکالنے کے بعد جو بچے اس پر خُمس واجب ہے۔

(وسائل جلد۶۔ باب۸۔ حدیث شمارہ ا
صفحہ ۳۴۸۔ استبصار جلد۲ صفحہ ۵۵
تہذیب جلد ا صفحہ ۳۸۴)

تاجروں، صنعتکاروں اور کاریگروں سب پر خمس ہے

ابو علی بن راشد، امام تقی علیہ السّلام اور امام علی نقی علیہ السّلام کے نمائندے تھے۔ علی بن مہزیار ان ہی کی سند سے گویا ہیں۔

(۴) عن علی بن مهزیار قال: قال لی ابو علی بن راشد، قلت له: امرتنی بالقیام بامرك واخذ حقّك فاعلمت موالیك بذلك، فقال لی بعضهم: وایّ شیٔ حقّه؟ فلم ادرما اجیبه؟ فقال: یجب علیهم الخمس، فقلت: فی ایّ شیٔ؟ فقال:

(۴) علی بن مہزیار کہتے ہیں: ابو علی بن راشد نے مجھے بتایا۔ کہ ایک دفعہ میں نے امامؑ کی خدمت میں عرض کی: آپ نے مجھے اپنے دوسرے معاملات کے ساتھ "حق امام" وصول کرنے پر بھی مامور فرمایا ہے۔ حضورؑ سے وابستگی رکھنے والوں کو جب میں نے مطلع کیا، تو ان میں سے بعض نے مجھ سے

فی امتعتھم وصنایعھم، قلت :
والتّاجر علیہ والصّانع بیدہ ؟ فقال
اذا امکنھم بعد مؤنتھم.

یہ سوال کیا کہ، امام کا حق کیا ہے؟ ذرا اس
کی توضیح فرما دیجیے۔ تاکہ جواب دے سکوں
ارشاد ہوا: ان پر خمس واجب ہے۔ میں نے
گزارش کی: کن کن چیزوں پر خمس واجب ہے؟ فرمایا: ان کے اثاثوں پر، ان کی صنعتوں
پر۔ میں نے پھر عرض کی: آقا! کیا تجارت پیشہ، کاری گر اور دستکار افراد کو بھی خمس دینا
ہوگی؟ ارشاد ہوا: ہاں اگر سال بھر کا خرچ نکالنے کے بعد گنجائش ہو تو انھیں بھی ادا کرنا پڑیگی

(وسائل۔ جلد ۶۔ باب ۵۔
حدیث شمارہ ۳ صفحہ ۳۴۸۔
استبصار جلد ۲ صفحہ ۵۵ تہذیب۔ جلد ۱ صفحہ ۳۸۴۔)

خمس تمہارے رزق کی کنجی اور عاقبت کا ذخیرہ ہے

محمد بن زید طبری راوی ہیں کہ ایران کے کسی تاجر نے امام رضا علیہ السّلام کی
خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا جس میں اس نے خمس کے مال کو اپنے مصرف
میں لانے کی اجازت طلب کی تھی۔ امام عالی مقام نے جواباً ترقیم فرمایا:۔

(۵) بسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیْمِ

(۵) اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور
بڑا رحم کرنے والا ہے۔

انّ اللہ واسعٌ کریمٌ، ضمن علی العمل
الثّواب، وعلی الضّیق الھم، لا
یحّل مَال الّا من وجہ احلّہ اللہ،
إنّ الخمس عوننا علی دیننا وعلیٰ
عیالنا وعلی موالینا وما نبذلہ و
نشتری من اعراضنا ممن نخاف
سطوتہ فلا تزووہ عنّا، ولا تحرموا
انفسکم دعانا ماقدرتم علیہ فانّ
اخراجہ مفتاح رزقکم، وتمحیص
ذنوبکم وما تمھدون لأنفسکم
لیوم فاقتکم، والمسلم من یفی
اللہ بما عھد الیہ، ولیس المسلم
من اجاب باللسّان وخالف بالقلب
والسّلام

اللہ بڑا فراخ دست اور کرم فرما ہے۔ اس نے ہر اچھے عمل کے لیے جزا کی ضمانت دی ہے، اور کوتاہی کرنے پر ثواب سے محرومی کا قاعدہ بنایا ہے۔ کوئی مال اس وقت تک حلال نہیں ہوتا جب تک اللہ کے مقرر کئے ہوئے طریقوں سے جائز نہ قرار پائے۔ خمس ہمارے دینی امور، عائلی زندگی۔ اور ہم سے وابستہ افراد کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے ایک مالی کمک ہے۔ ہم خمس کی آمدنی سے جفاپیشہ عناصر کا مقابلہ کر کے اپنے عزّو شرف کا تحفظ بھی کرتے ہیں۔ بنابریں خمس کی ادائیگی میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہونے دو اور اپنے آپ کو ہماری دعاؤں سے محروم نہ کرو۔ خمس کی ادائیگی کو رزق کی کنجی جانو۔ اس سے تمہارے گناہ بھی بخشے جائیں گے۔ اس کے علاوہ جس دن سب محتاج ہوں گے اس روز یہ ذخیرہ تمہارے کام آئے گا۔ یاد رکھو! مسلمان وہ ہے جو خدا سے کئے ہوئے وعدے کو پورا

کرے، وہ مسلمان نہیں جو صرف زبان سے تو اعتراف کرتا رہے۔ مگر دل سے قول و قرار کا منکر ہو۔ والسّلام۔

______ (وسائل۔ جلد ۶۔ باب ۲ (انفال)
شمارہ حدیث ۲ صفحہ ۳۷۵۔
اصول کافی جلد ا صفحہ ۳۰۵۔
تہذیب جلد ا صفحہ ۳۸۹۔ استبصار جلد ۲ صفحہ ۶۰)

امام نے خمس معاف نہیں کی۔

(۶) وبالاسناد عن محمد بن زید قال: قدم قومٌ من خراسان علیٰ ابی الحسن الرضا علیہ السلام فسألوہ أن یجعلھم فی حلٍّ من الخمس، فقال: ما امحل ھذا، تمحضونا المودّۃ بالسنتکم وتزوون عنّا حقّاً جعلہ اللہ لنا وجعلنا لہ وھو الخمس۔ لا نجعل لا نجعل

(۶) محمّد ابن زید روایت کرتے ہیں کہ: خراسان کے کچھ لوگ امام رضا علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئے کہ: انھیں خمس معاف کر دی جائے۔ امامؑ نے فرمایا: میں تمھیں اس قسم کی اجازت نہیں دے سکتا۔ تم لوگ زبان سے تو خوب محبّت جتاتے ہو۔ اور خمس جسے خدا نے ہمارا حصّہ قرار دیا ہے اور ہمیں اس کا حقدار

لا نجعل لاحدٍ منکم فی حلٍ۔ بنایا ہے۔ اسے ادا کرنے میں پس و پیش سے کام لیتے ہو! ہم تم میں سے کسی کو بھی خمس نہیں معاف کریں گے۔ نہیں معاف کریں گے۔ نہیں معاف کریں گے۔

(وسائل۔ جلد ۶۔ باب ۳ (انفال) حدیث شمارہ ۳۔ صفحہ ۳۷۶۔ اصول کافی جلد ا صفحہ ۳۰۶ تہذیب جلد ا صفحہ ۳۹۰۔ استبصار جلد ۲ صفحہ ۶۰)

کوئی عذر قبول نہیں ہوگا

(۷) عن ابی بصیر، عن ابی جعفر علیہ السلام: قال: سمعتہ یقول: من اشتری شیئاً من الخمس لم یعذرہ اللہ اشتری مالا یحل لہ۔

(۷) ابو بصیر کہتے ہیں کہ: میں نے امام محمدؑ باقر علیہ السّلام کو یہ فرماتے ہوئے سُنا: جو شخص خمس میں سے کوئی چیز خریدے گا۔ خداوند عالم اس کا کوئی عذر قبول نہیں فرمائے گا۔ کیونکہ اس کی یہ خریداری کسی طرح بھی جائز نہیں:

(وسائل۔ جلد ۶۔ باب ۳ حدیث شمارہ، ۵ صفحہ ۳۷۶۔ تہذیب جلد ا صفحہ ۳۸۸)

صاحبان خمس کی اجازت ضروری ہے

(۸) عن اسحاق بن عمّار قال:
سمعت اباعبد الله علیہ السّلام
یقول: لا یعذر عبد اشتری من
الخمس شیئاً ان یقول: یارب اشتریتہ
بمالی، حتّی یاذن لہ اهل الخمس.

(۸) اسحاق بن عمّار کہتے ہیں کہ: میں نے امام جعفر صادق علیہ السّلام کا یہ ارشاد سُنا۔ کہ قیامت میں خمس کی رقم سے سامان خریدنے والا صرف یہ کہنے سے نہیں چھٹ جائے گا کہ "پروردگارا! یہ خریداری تو میں نے اپنے مال سے کی تھی"۔ جب تک کہ صاحبان خمس اجازت نہ مرحمت فرمادیں۔ اس وقت تک چھٹکارا ممکن نہیں۔

(وسائل. جلد ۶۔ باب ۳۔
حدیث شمارہ ۱۰ صفحہ ۳۷۸۔
استبصار جلد ۲ صفحہ ۵۸ تہذیب جلد ۱۔ صفحہ ۳۸۹)

امام کا مال کھانے والا انگاروں سے پیٹ بھریگا

محمّد بن جعفر اسدی کہتے ہیں کہ: امامِ زمانہ عجّل اللہ ظهوره کے ایک نائب خاص ابو جعفر محمد بن عثمان العمری نے بعض مسائل دریافت کئے تھے۔ ان

میں سے ایک کے جواب میں سرکارِ قائمِ آلِ محمدؑ کی جانب سے یہ جواب عنایت ہوا۔

(۹) ومن اکل من مالنا شیئاً فانّما یا کل فی بطنہ ناراً وسیصلیٰ سعیراً

جو کوئی ہمارے مال میں سے کچھ بھی کھائے گا، وہ اپنا پیٹ، انگاروں سے بھرے گا، اور جہنّم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکا جائیگا۔

(وسائل۔ جلد ۶۔ باب ۳۔ شمارہ حدیث ۶۔ صفحہ ۳۷۶۔ اکمال الدّین صفحہ ۲۸۷۔
الاحتجاج صفحہ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔

۱۲

موارد خمس!

خمس کن کن چیزوں پر واجب ہے؟ بہتر ہے کہ اب یہ تفصیل بھی سامنے آجائے۔ مگر پیش لفظ کے طور پر پہلے ایک اہم نکتے کی تشریح ضروری ہے۔

دیکھئے! سوادِ اعظم کے علمی ذخیرے میں زکوٰۃ کو تو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ مگر مسئلہ خمس کو کوئی قابل لحاظ، چشم گیر جگہ نہیں دی گئی! ان کی تمام مذہبی کتابوں کے کسی مبحث میں اس مالی عبادت کے سلسلے میں کھل کر کوئی بات نہیں ہوئی، نیز خمس کی کماحقّہ توضیح کے لیے کوئی مستقل باب بھی نظر نہیں آتا!

غالباً اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں ابھی تک غنیمت کا کوئی واضح تصوّر نہیں قائم ہو سکا۔ یعنی! اب بھی یہی سمجھا جاتا ہے کہ خمس غنیمت سے اور غنیمت جنگ سے مخصوص ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ ان کے تمام محدث اور فقہاء فرماتے ہیں کہ میدان جنگ سے ہٹ کر کچھ اور موارد بھی ہیں، کچھ اور مقامات بھی ہیں جہاں خمس کا وجوب ثابت ہے۔ مگر صاف صاف اور دو ٹوک بات کرنے کی راہ میں ایک ہچکچاہٹ ہے جو کسی طرح دور نہیں ہوتی!

اب ان دانشوروں کو کون سمجھائے کہ برادران عزیز! آپ کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے نا! کہ غنیمت سے متعلق جو آیت ہے وہ جنگ بدر میں اتری اور اس کے سیاق و سباق سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جو ساز و سامان دارالحرب میں یا میدان جہاد سے ہاتھ آئے اسے غنیمت جاننا چاہیے اور اس نوع کی غنیمت پر ہی خمس واجب ہے۔؟!

مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر آپ ایک خاص موقع، یعنی! جنگ بدر میں نازل شدہ آیت کے دائرۂ اثر کو محدود کیوں نہیں رہنے دیتے؟

بھئی! بدر کی بات کو بدر ہی تک رکھئے۔ وہاں ایک دفعہ جو مل گیا اسے غنیمت جانئے اور بس! لیکن کوئی فقیہ۔ کوئی مفتی اور کوئی عالم اس طرح سوچنے کو تیار نہیں۔ بلکہ ہر معرکے۔ ہر رزمگاہ اور جہاد کے ہر میدان سے حاصل ہونے

والے اثاثے کو غنیمت اور جس قانون کی رو سے وجوب خمس کا اطلاق ہوتا ہے اس کا سرچشمہ اسی آیۂ وافی ہدایہ کو قرار دیا جاتا ہے جو جنگ بدر میں نازل ہوئی۔ اچھا تو جب ہمارے یہ دانشمندان گرامی آیۂ وافی ہدایہ وَاعْلَمُوٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ[1]... کے مصداق میں اس حد تک وسعت اور گیرائی کے قائل ہو سکتے ہیں کہ اس میں جو حکم محکم ہے۔ وہ ہر دور میں اور ہر جگہ، ہر جنگ و جنگاہ کے ساز و سامان کو اپنی گرفت میں لے سکتا ہے۔ تو پھر اس میں کیا حرج ہے اگر اس کے دامن اثر کو صنعت و تجارت کے میدان تک پھیلا دیا جائے۔ بلکہ تمام نفع بخش شعبوں اور پیشوں کو بھی اس میں جگہ دے دی جائے۔ اس لیے کہ آیت اگرچہ ایک خاص موقع اور محل پر نازل ہوئی مگر علم و علماء شاہد ہیں کہ حکم کے الفاظ عام ہیں اور زبان و ادب کی دنیا میں ہر طرح کے فائدے کو غنیمت کہتے ہیں۔

بہر حال! اس طریقے سے اسلام کے معاشی فلسفے اور قرآن کی اقتصادی حکمت عملی کے اس بنیادی قاعدے کا احترام و التزام بھی ممکن ہو سکے گا جس کے ذریعے پوری امّت کو اس نکتے پر خاص توجہ مبذول کرنے کی ہدایت کی گئی ہے کہ مبادا دولت کے ارتکاز یا اس کی غیر منصفانہ تقسیم سے امیر زیادہ امیر اور غریب زیادہ غریب ہوتے

---

[1] سورہ انفال۔ آیت: ۴۱

چلے جائیں! جیساکہ "مسئلہ فے" کے سلسلے میں پروردگار عالم ارشاد فرماتا ہے:۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ
الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ
كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ
مِنْكُمْ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ
وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ
اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

خدا نے بستیوں میں رہنے والوں سے جو مال اپنے رسولؐ کو جنگ و جدل کے بغیر دلوایا ہے، وہ اللہ۔ رسولؐ اور رسولؐ کے قرابت داروں یتیموں، محتاجوں اور پردیسیوں کے لیے ہے، تاکہ سرمائے کی گردش صرف ثروت مند طبقوں تک نہ رہے۔ ہاں! رسولؐ تمھیں جو دے دیں وہ لے لو، اور جس چیز سے منع کریں اس سے باز رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

سورۂ حشر۔ آیت: ۷

اور کوئی ساڑھے چار سو سال پہلے شافعی مکتب فقہ کے ایک بہت بڑے عالم اور مصنّف امام شعرانی (متوفی ۹۷۳ھ) نے بہت زیادہ تموّل اور اس سے پیدا ہونے والے ممکانی خطروں کے بارے میں احکام زکوٰۃ بیان کرتے ہوئے کچھ اس قسم کا خیال ظاہر کیا تھا۔ کہ۔ کان (MINES) کے مالکوں سے اتنا لے لیا جائے کہ وہ دولت و ثروت کی ریل پیل سے اقتدار پر قابض ہونے اور فوج کو متاثر کرنے کے قابل نہ رہیں۔"

(الفقہ علی المذاہب الخمسہ۔ جواد مغینہ۔ صفحہ ۱۸۸۔ مطبوعہ بیروت)

اچھّا! گزشتہ ابواب میں اجمال و اختصار کے ساتھ بعض ان اشیاء کا تذکرہ ہو چکا ہے جن پر خمس واجب ہے۔ اب ذرا شرح و بسط کے ساتھ ہم اس عنوان پر روشنی ڈالتے ہیں۔

فکر و نظر اور دلیل و حجت سے کام لینے والوں نے بحث و تحقیق کے بعد اعداد و شمار کی زبان میں ہمیں یہ بتایا ہے کہ:۔

سات چیزوں پر خمس واجب ہے۔

(۱) ان سات اشیاء میں سے ایک چیز جہاد میں ہمدست ہونے والا ساز و سامان ہے۔ یعنی۔ اگر مسلمان پیغمبر اکرمؐ یا کسی امام معصومؑ کے حکم و اجازت سے

شریک جنگ ہوں، اور انھیں غنیمت بھی حاصل ہو تو اس میں سے پہلے خمس لی جائے گی اور پھر باقی مال و متاع میدان جہاد کے غازیوں میں تقسیم کر دیا جائیگا۔

سرکار باقر العلوم حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد گرامی، ابو بصیر کی روایت:

قال: کلّ شیئٍ قوتل علیه علیٰ شهادة أن لَا إِلٰهَ إِلَّا الله وأن محمّدًا رسول الله فان لنا خمسه، ولا یحلّ لاحدٍ أن یشتری من الخمس شیئًا حتّٰی یصل الینا حقّنا.

امامؑ فرماتے ہیں: ہر وہ چیز جو اسلامی تعلیمات (لا الٰہ الا اللہ محمدٌ رسول اللہ) کی بنیاد پر جنگ کر کے حاصل کی گئی ہو۔ اس میں سے پانچواں حصّہ (خمس) ہمارا حق ہے اور جب تک ہمارا حصّہ ہمیں نہیں پہونچا دیا جاتا۔ اس وقت تک کسی کو بھی اس مال میں سے جس کی خمس نہ نکالی گئی ہو، کوئی خریداری کرنیکی قطعاً اجازت نہیں۔

(وسائل الشیعہ۔ جلد ۶۔ باب ۲۔ حدیث شمارہ ۵۔ صفحہ ۳۳۹۔ اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۴۰۴)

امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان اور ہشام بن سالم کا بیان:

عن هشام بن سالم، عن ابی عبد اللهؑ قال: سألته عن الغنیمة؟ فقال: یخرج منها خمس لله وللرسولؐ ومابقی قسم بین

ہشام بن سالم نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے جنگ میں ہمدست ہونے والی غنیمت کے بارے میں دریافت کیا۔ امامؑ نے ارشاد فرمایا: خُمس تو اللہ اور رسولؐ کا حصّہ ہے

من قاتل علیه ولی ذلك.

اسے الگ کرنے کے بعد جو باقی بچے وہ جہاد میں حصّہ لینے والے سپاہیوں اور محاذ کے سربراہ میں تقسیم کر دیا جائے۔

ان ہی لفظوں میں عبداللہ بن سنان نے بھی صادق آل محمدؐ کی اس حدیث کو ہم تک پہونچایا ہے۔

—(جامع احادیث الشیعہ جلد ۸. صفحہ ۵۳۰
تہذیب جلد ا صفحہ ۳۸۷ اور وسائل جلد ۶
باب ۲ - حدیث شمارہ ۱۰ صفحہ ۳۴۱)

نیز ایک اور روایت یہ محمد بن الحسن الصّفار کے ذریعے کتابوں کی زینت بنی ہے۔

قال: إذا غزى قومٌ بغیر اذن الامام فغنموا كانت الغنیمة كلّها للامام واذا غزوا بامر الامام فغنموا كان الخمس للامام

امامؑ عالی مقام نے ارشاد فرمایا. اگر کچھ لوگ امامؑ سے اجازت لیے بغیر مشغول جنگ ہوں اور انجام کار مال غنیمت انھیں دستیاب ہو جائے تو یہ سارے کا سارا حاصل شدہ ساز و سامان امامؑ کے حوالے کرنا ہوگا اور اگر انھوں نے امامؑ کی اجازت سے لڑائی میں حصّہ لیا ہے تو امامؑ کی خدمت میں صرف ان کا حق، خُمس پیش کرنا پڑے گا۔

—(جامع احادیث الشیعہ - جلد ۸ - صفحہ ۶۱۶)

آیئے! اس ضمن میں ہم اپنے عظیم المرتبت فقہاء کے نتائج فکر و تحقیق اور ان کے ارشادات و ہدایات سے بھی اپنے ذہن کے گوشوں کو آراستہ کرتے چلیں۔

مشہور محدّث اور فقیہہ شیخ مفید اعلیٰ مقامہ (متوفی ۴۱۳ھ) اپنی مایۂ ناز تصنیف مقنعہ میں ترقیم فرماتے ہیں:

جس چیز پر بھی غنیمت کا اطلاق ہوتا ہو (یعنی فائدہ کہلائے) اس پر خمس واجب ہے۔ کیونکہ یہ خدا کا حکم ہے وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ .... اب غنیمت خواہ جنگ کے ذریعے حاصل ہو۔ یا، کان، غوطہ خوری۔ دفینے۔ عنبر۔ تجارت و زراعت اور صنعت و حرفت وغیرہ سے دستیاب ہو۔ بہرحال غنیمت ہے۔

(المقنعہ صفحہ ۴۵)

شیخ طوسی رحمہ اللہ (متوفی ۴۶۰ھ) کا ارشاد ہے:

زور بازو دکھا کر جو کچھ مشرکوں سے حاصل کیا جائے اسے غنیمت کا نام دیا جاتا ہے۔ اس مسئلے میں علمائے اسلام کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ "شیعہ امامیہ" صنعت و تجارت اور اس نوع کے تمام کاروباری

مشاغل سے ہونے والی آمدنی کو بھی غنیمت قرار دیتے

ہیں۔ اس کی دلیل شیعہ علمار کا اجماع اور آیۂ مبارکہ

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ ہے۔

(الخلاف جلد ۲۔ صفحہ ۱۱۰)

محقق حلّی نور اللہ مضجعہ (متوفی ۶۷۶ھ) یوں رہنمائی فرماتے ہیں۔

کمائی سے جو فائدہ ہو، اسے غنیمت کہتے ہیں۔ خواہ

سرمایہ کاری کے ذریعے مثلاً بیوپار اور خرید وفروخت

وغیرہ سے دستیاب ہو یا کسی اور وسیلے سے حاصل

ہو جیسے دار الحرب سے ملنے والا مال ومتاع!

اس کے بعد صاحب شرائع غنیمت جنگ کے انواع و اقسام پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

میدان کارزار سے ہمدست ہونے والی جائز منقولہ

اشیار خمس نکالنے کے بعد مجاہدوں کا حصّہ ہیں۔

(شرائع الاسلام جلد ۱۔ الطرف الخامس

فی احکام الغنیمہ صفحہ ۳۲۰ مطبوعہ نجف اشرف)

مزید تفصیلات کے لیے محقق بہبہانی کی مصباح الفقیہ۔ الشریف الکبیر کی

جواہر الکلام اور اس صدی کے سب سے بڑے فقہی کارنامے مستمسک عروہ الوثقیٰ آیۃ اللہ الفقید سید محسن الحکیم کا مطالعہ بے حد مفید ہوگا۔

سوادِ اعظم کے ہاں بھی جہاد میں ہاتھ آئے ہوئے مال و متاع میں سے خمس کی ادائیگی کو فرض قرار دیا گیا ہے چنانچہ صحیح بخاری کی "کتاب الجہاد والسّیر" میں ایک حدیث کی شہ سرخی یہ ہے۔ "فرض الخمس" "مال غنیمت میں خمس واجب ہے۔" اور حدیث کا آغاز یوں ہوتا ہے:۔۔۔

قال: اخبرنی علیّ بن الحسین أنّ حسین ابن علیّ علیھما السّلام اخبرہ أنّ علیاً قال کانت لی شارفٌ من نصیبی من الغنم یوم بدرٍ، وکان النبی صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلّم اعطانی شارفاً من الخمس.......	حضرت امام زین العابدینؑ سے روایت ہے کہ امام حسینؑ بن علی علیہما السّلام نے انھیں یہ بتایا تھا کہ حضرت علیؑ نے فرمایا: کہ بدر کے مال غنیمت میں سے مجھے ایک اونٹنی ملی تھی اور پیغمبر کریمؐ نے خمس میں سے بھی ۔۔۔۔۔۔ مجھے ایک اونٹنی مرحمت فرمائی تھی ....

(صحیح بخاری کتاب الجہاد والسیر جلد ۲ صفحہ ۱۵۸

نیز یہی حدیث کتاب المغازی میں بھی درج ہے:۔۔۔

۔۔۔۔۔۔ بخاری جلد دوم صفحہ ۵۱۴)

نیز اس پر بھی ان کے مکتب فکر میں اتفاق پایا جاتا ہے کہ تقسیم غنیمت سے پہلے یعنی حقداروں کو اُنکے حقوق کے ایصال سے قبل دار الحرب یا میدان کارزار سے حاصل ہونے والے اثاثے میں ذرہ برابر تصرّف بھی بہت بڑا جرم ہے۔ اس سلسلے میں امام ابن ماجہ نے یہ حدیث نقل کی ہے۔

۶۲۸۔ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا اَبُوْ اُسَامَۃَ عَنْ اَبِیْ سِنَانٍ عِیْسَی بْنِ سِنَانٍ عَنْ یَعْلَی بْنِ شَدَّادٍ عَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ (وَاٰلِہٖ) وَسَلَّمَ یَوْمَ حُنَیْنٍ اِلٰی جَنْبِ بَعِیْرٍ مِنَ الْمَقَاسِمِ ثُمَّ تَنَاوَلَ شَیْئًا مِنَ الْبَعِیْرِ فَاَخَذَ مِنْہُ قَرَدَۃً یَعْنِیْ وَبَرَۃً فَجَعَلَ بَیْنَ اِصْبَعَیْہِ ثُمَّ قَالَ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ ھٰذَا مِنْ غَنَآئِمِکُمْ اَدُّوا الْخَیْطَ وَالْمَخِیْطَ فَمَا فَوْقَ ذٰلِکَ فَمَا دُوْنَ ذٰلِکَ فَاِنَّ الْغُلُوْلَ عَارٌ عَلٰی اَھْلِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَشَنَارٌ وَنَارٌ۔

علی بن محمد، ابو اسامہ، عیسیٰ بن سنان یعلی بن شداد، عبادۃ بن الصامت فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلّم نے ہمیں حنین کے دن ایک اُونٹ کی آڑ میں نماز پڑھائی جو مال غنیمت کا تھا اس کے بعد اونٹ کا ایک بال اپنی دونوں انگلیوں کے درمیان رکھ کر فرمایا اگر مال غنیمت کا سوئی تاگا بھی ہو تو اسے مال غنیمت ہی میں رکھو کیوں کہ غنیمت کے مال میں چوری کرنا قیامت کے دن ذلّت اور عذاب کا سبب ہوگا۔

—— (سنن ابن ماجہ۔ باب الغلول۔ جلد ۲ صفحہ ۱۸۶)

نیز پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم جنگ کے بعد موقع ہی پر غنیمت سے متعلق تمام اشیاء کو ایک جگہ اکٹھا کرنے کا فرمان صادر فرما دیتے تھے تاکہ خمس الگ کرنے کے بعد مناسب طور پر سامان کا بٹوارہ کر دیا جائے۔

"صاحبِ مشکوٰۃ" امام محمد بن عبداللہ العمری (متوفی ۷۴۳ھ) ترقیم فرماتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرٍ، قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ (وَآلِهٖ) وَسَلَّمَ اِذَا اَصَابَ غَنِيْمَةً اَمَرَ بِلَالًا فَنَادٰى فِى النَّاسِ فَيَجِيْئُوْنَ بِغَنَائِمِهِمْ فَيُخَمِّسُهٗ وَيُقَسِّمُهٗ.......

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ (خیبر) میں سرکار رسالتؐ کی خدمت میں جب مالِ غنیمت پہونچنے لگا تو آپ نے بلال کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا، کہ جس کے پاس غنیمت کی جو شئی ہو وہ لاکر جمع کرادے۔

چنانچہ جس کے پاس جو چیز تھی وہ لے کر حاضر ہو گیا۔ اس کے بعد حضورؐ نے سارے میں سے خمس نکال کر باقی غنیمت کو لوگوں میں تقسیم فرما دیا۔

(مشکوٰۃ۔ جلد ۲ صفحہ ۲۶۲

سنن ابو داؤد۔ کتاب الجہاد۔ جلد ۲ صفحہ ۳۵۵)

۲۔ معدنی ثروت:
(MINERAL SUBSTANCE)

جن اشیاء پر خمس واجب ہے ان میں کی دوسری چیز وہ معدنی ثروت ہے جس سے زمین کی گود بھری ہوئی ہے۔ یہ دولت جہاں پائی جاتی ہو یا جس مقام سے نکالی جاتی ہو اسے معدن یا کان کا نام دیا جاتا ہے۔

معدنی ثروت (MINERAL SUBSTANCE) ________ پر قانونِ خمس کے اطلاق کے بارے میں اصولی طور پر مسلمانوں کی اکثریت متفّق ہے۔

شیعی مدرسۂ فقہ کے لحاظ سے وہ تمام اشیاء، جو معدنیات کے زمرے میں آتی ہوں۔ ان کا وجود زمین کے اندر ہو یا سطح زمین پر، نیز گلنے پگھلنے والی ہوں جیسے سونا، چاندی، تانبا، لوہا اور سیسہ وغیرہ۔ یا وہ چیزیں جو بس جمی رہتی ہیں۔ مثلاً قیمتی سنگ پارے، ہیرا، یاقوت۔ زمّرد۔ نیلم۔ پکھراج۔ اوپل۔ عقیق فیروزہ۔ زرقون وغیرہ۔ یا نسبتاً کم قیمت کے پتّھر مثال کے طور پر یشب (JASPER) سنگ موسیٰ (BLACK MARBLE) سنگ سلیمانی (ONYX) سنگ مرمر (MARBLE)

ان کے علاوہ بعض وہ پتّھر بھی ہیں جو کسی نہ کسی عنوان سے ہماری روزمرہ زندگی میں استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے نمک (SODIUM CHLORIDE) چونے کا پتّھر

سرمے کا پتھر (LIME STONE) ہڑتال (ARSENIC) گندھک (SULPHUR)

(ANTI MONY) نیز وہ اشیاء جو مائع یا سیّال ہوں جیسے پٹرولیم۔ کولتار وغیرہ یہ اور ان کے علاوہ مزید بہت سی چیزیں ہیں۔ بہر حال! ان میں سے کسی شئی کی کان، پہاڑی یا کنواں قبضے میں آجائے یا ٹھیکے پر مل جائے تو اس سے برآمد ہونے والے مال پر خمس واجب الادا ہوگی۔

اس سلسلے میں آئمہ اطہار علیہم السّلام کیا ارشاد فرماتے ہیں۔؟ چند فرمان زیب نگاہ ہیں۔

عن محمد بن مسلم، عن ابی جعفرؑ قال: سألته عن معادن الذهب والفضّة والصّفر والحديد والرّصاص فقال: عليها الخمس جميعًا۔	محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السّلام سے یہ دریافت کیا کہ، سونے، چاندی، تانبے لوہے اور سیسے کی کانوں کا کیا حکم ہے؟ امامؑ نے جواب مرحمت فرمایا: ان سب پر خمس واجب ہے۔

(وسائل جلد ۶۔ باب ۳ حدیث شمارہ ۱۰۔ صفحہ ۳۴۲ تہذیب جلد ۱ صفحہ ۳۸۳ اصول کافی صفحہ ۳۰۵)

عن محمد بن مسلم قال: سالت — اس حدیث میں بھی محمد بن مسلم کے سوال

اباجعفرؑ عن الملاحة، فقال: وما الملاحة؟ فقال: (فقلت) ارض سبخة مالحة یجتمع فیہ الماء فیصیر ملحاً۔ فقال: هٰذا المعدن فیہ الخمس....

کا جواب ہے۔ راوی نے امام محمد باقر علیہ السّلام سے پوچھا تھا کہ ملاحت کے بارے میں کیا حکم ہے؟ امام نے وضاحت چاہی ملاحت سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ سائل نے عرض کی۔ شورہ زار زمین میں پانی جمع ہو کر نمک بن جاتا ہے۔ معصومؑ نے فرمایا۔ یہ معدن کے حکم میں ہے اور اس پر خمس واجب ہے۔

فقلت: الکبریت والنفط یخرج من الارض۔ قال: هذا واشباهه فیہ الخمس۔

یہی راوی پانچویں امامؑ سے مزید دریافت کرتا ہے مولا! گندھک اور تیل بھی تو زمین ہی سے نکلتا ہے۔ امام نے ارشاد فرمایا: ان جیسی تمام اشیاء پر خمس واجب ہے۔

(وسائل جلد ۶۔ باب ۳ شمارہ حدیث ۴۔ صفحہ ۳۴۳۔ تہذیب جلد ۱ صفحہ ۳۸۴ من لا یحضرہ الفقیہ جلد ۱ صفحہ ۱۳)

اور ہمارے علمائے عظام میں سے شیخ الطائفہ محمد بن الحسن الطوسی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

معدنیات میں خمس واجب ہے اور دلیل وجوب اس مسئلے پر شیعہ علماء وفقہاء کا اجماع ان کا ذخیرۂ حدیث اور پروردگار عالم کا یہ ارشاد:

وَاعْلَمُوا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ...... (الخلاف۔ جلد ۲۔ صفحہ ۳۵۵)

علامہ ابن شہر آشوب تحریر فرماتے ہیں: قرآن حکیم میں خداوند متعال کا یہ حکم محکم وَاعْلَمُوا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ.... تمام معادن (دھاتوں اور استعمال میں آنے والی مختلف زمینی اور زیر زمینی اشیاء کی کانوں یا جگہوں) پر خمس کے واجب ہونے کی دلیل ہے۔

— (متشابہات القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۷۵)

محقق حلی اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "شرائع" میں المعادن کی ذیلی سرخی کے تحت رقمطراز ہیں کہ: خرچہ نکالنے کے بعد معدنیات پر خمس واجب قرار پائے گی۔

(شرائع الاسلام جلد ا کتاب الخمس
صفحہ ۱۷۹ مطبوعہ نجف اشرف)

نیز جب ہم اور دوسرے مکاتب فقہ پر نظر ڈالتے ہیں تو وہاں بھی اس مسئلے میں بظاہر کوئی ابہام نہیں محسوس ہوتا۔ البتہ حجاز و عراق کے فقہاء میں تھوڑا سا اختلاف نظر پایا جاتا ہے ———— اور وجہ اختلاف لفظ رکاز ہے۔

عراق والوں کا خیال ہے کہ رکاز "معدن کو کہتے ہیں. کیونکہ سخن داں اور سخن فہم طبقے نے زمین کے اندر پیدا ہونے والی اور جمی ہوئی چیزوں کو رکاز کا نام دیا ہے. مگر حجازی فکر کے طرفدار مصر ہیں کہ عرب قوم پرانے زمانے کے "دفینوں" کو رکاز کہتی چلی آرہی ہے۔ یہ معدن کہاں سے آگیا؟ علاوہ ازیں حجاز سے وابستہ لوگ اہلِ زبان ہیں اور ان ہی کا فرمایا ہوا مستند قرار پائے گا۔!

خیر! اس فکری کشمکش میں کچھ سیاسی جانب داری بھی شامل ہے۔ اور اس وقت ہم اس موقف میں نہیں ہیں کہ پس منظر کی تفصیل پیش کر سکیں۔

البتہ جہاں تک حجاز کے باشندوں کی زباں دانی کا تعلق ہے اور اس کے برہان و حجت ہونے کا معاملہ! تو اس سلسلے میں ہمیں چند فیصلے یاد آرہے ہیں جو سپردِ قلم ہیں۔ مشہور محدث، ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی (متوفی ۴۵۸ھ) لکھتے ہیں کہ:
سرکارِ ختمی مرتبت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا: وَفِی الرِّکازِ الخُمُسُ "اور رکاز میں خمس ہے۔" لوگوں نے عرض کی: یارسولؐ اللہ! یہ رکاز کیا چیز ہے؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: الذّھب والفضۃ الذّی خلقہ اللہ فی الارض یوم خلقت۔ یعنی "! رکاز سے مراد وہ سونا اور چاندی ہے جسے آفریدگارِ عالم نے زمین میں۔ زمین کی تخلیق کے دن "ساتھ ہی ساتھ" "پیدا کیا تھا"

(سنن بیہقی۔ جلد ۴ صفحہ ۱۵۲)

اب سرکار رحمت دوعالم نے اپنی وحی میں جھلی ہوئی زبان سے رکاز کی جس طرح توضیح فرمائی ہے اسے حرز جان بنانے سے دل و دماغ کو اطمینان کامل کی ایک دنیا مل جاتی ہے اور اس کے بعد مزید کسی دلیل کا تصوّر بھی ایمان کی شان کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ بنا بریں محض معلومات میں تھوڑے سے اضافے کے لیے، عہد رسالت سے قریب تر زمانے کی "عدالت عالیہ" کے ایک دو نظائر ترقیم ہیں۔

"تاریخ فقہ و حدیث" یہ بتاتی ہے کہ رکاز اور معدن کے سلسلے میں حجازہی کی دو اور مقتدر ہستیوں کا فیصلہ بھی کتابوں میں محفوظ ہے۔

ان میں سے ایک ہستی تو اپنی دستور فہمی، قانون دانی اور عدل گستری کی خصوصیات و امتیازات کے علاوہ زبان و ادب میں بھی کم از کم آج کی تاریخ تک آپ اپنی مثال ہے اور یہ مزاجِ قرآنی اور احکام خداوندی کے سب سے بڑے عارف، دانائے رموزِ رسالت سرکار ولایت مآب امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السّلام کی ذات بابرکات ہے۔

صحیح بخاری کے مقبول ترین شارح امام بدرالدین العینی (متوفی ۸۵۵ھ) نے رکاز کے بارے میں جناب امیرؑ کے قانونی موقف کو یوں بیان کیا ہے۔ ذکر حمید بن زنجویہ النسائی فی کتاب الاموال عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ أنّہ جعل المعدن رکازاً واوجب فیہ الخمس۔

حمید بن زنجویہ نسائی نے "کتاب الاموال" میں لکھا
ہے کہ: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے معدن
(کان) کو رکاز قرار دیا اور اس پر وجوب خمس کا حکم
صادر فرمایا۔

(عمدۃ القاری جلد ۹ صفحہ ۱۰۳)

اور حافظ ابو عبید القاسم بن سلاّم (متوفی ۲۲۴ھ) کہتے ہیں: افلا تری أنّ
علیاً قد سمّی المعدن رکازاً وحکم علیہ بحکمہ۔
دیکھتے نہیں! علیؑ نے معدن (کان) کو رکاز کا نام دیا
اور اس پر رکاز ہی کا حکم جاری فرما کر اس میں سے خمس
وصول کی۔

(کتاب الاموال۔ ابو عبید۔ صفحہ ۴۷۴)

اچھا! دوسری شخصیت خلیفۂ دوم جناب عمر بن خطاب کی ہے۔ ان کا تعلّق
بھی حجاز سے ہے اور یہیں کی ٹکسالی زبان میں بات کرتے تھے۔ اور پھر مسلمانوں کی
پوری تاریخ پر ان کا نام چھایا ہوا ہے۔ اب ملاحظہ فرمائیے! بیہقی، مکحول سے روایت
کرتے ہیں: کہ۔ انّ عمر بن الخطّاب جعل المعدن بمنزلۃ الرّکاز فیہ الخمس
عمر بن الخطاب نے معدن کو رکاز کی طرح قرار

دے کر اس پر خمس واجب ہونے کا حکم نافذ کیا۔

(سنن بیہقی جلد ۴ صفحہ ۱۵۴۔

عمدۃ القاری جلد ۹ صفحہ ۱۰۳)

اسی بنا پر سواد اعظم کے آئمہ فقہ میں امام ابو یوسف (متوفی ۱۸۲ھ) یہ فرماتے ہیں کہ

فی کل ما اصیب من المعادن من قلیلٍ أو کثیرٍ الخمس۔

معدنیات میں سے جو چیز بھی دستیاب ہو، کم یا زیادہ! اس پر خمس ہے۔

(کتاب الخراج۔ امام ابو یوسف صفحہ ۲۵-۲۷)

نیز ابن شہاب کی بھی یہی رائے ہے۔ چنانچہ جب معاون اور رکاز کے معاملے میں ان سے دریافت کیا گیا تو ان کا جواب یہ تھا:

یخرج من ذلک کلہ الخمس۔

رکاز اور معاون سب میں سے خمس نکالنا واجب ہے۔

— (کتاب الاموال۔ ابو عبید۔ صفحہ ۳۴۷)

۳- خزانہ

تیسری چیز جس پر خمس واجب جانئے وہ "کنز" ہے۔ ہمارے ہاں فقہ وحدیث کے ذخیرے میں یہی لفظ آتا ہے اور اردو میں "کنز" کا مطلب بیان کرنے کے لیے خزانہ یا دفینہ کہنا نہایت مناسب ہے۔

قاموس المحیط کے مؤلف علامہ فیروز آبادی لکھتے ہیں کہ:

الکنز۔ المال المدفون، وقد کنزہ، یکنزہ۔ والذہب والفضۃ وما یحرز بہ المال.

"کنز زمین میں گڑے ہوئے مال کو کہتے ہیں۔ سونا چاندی اور جس شئی میں بھی مال محفوظ کیا جائے اسے "کنز" کا نام دیا جاتا ہے۔"

(قاموس۔ جلد ۲۔ فصل الکاف باب الزای صفحہ ۱۹۶ مطبوعہ بیروت)

ہمارے بیشتر فقہائے کرام نے زمین کے نیچے۔ دیوار کے اندر چھت کے

درمیان۔ پہاڑ کی کھو میں یا درخت کے تنے میں چھپائی ہوئی دولت کے لیے کنز کی اصطلاح استعمال فرمائی ہے۔

شہرۂ آفاق کتاب عروۃ الوثقیٰ کے مصنّف۔ آیۃ اللہ الفقید سید محمّد کاظم یزدی اعلیٰ اللہ مقامہ تحریر فرماتے ہیں۔

الثّالث۔ الکنز۔ وھو المال المذخور فی الارض أو الجبل أو الجدار أو الشجر

وجوب خمس کے سلسلے میں تیسری شئ ”کنز“ ہے کنز
اس مال کو کہتے ہیں جو زمین، پہاڑ، دیوار یا درخت
میں پوشیدہ طریقے سے اندوختہ کیا گیا ہو۔

(عروۃ الوثقیٰ جلد ۲ کتاب الخمس صفحہ ۳۷۴
مطبوعہ بیروت)

نیز ساتویں صدی ہجری کے بہت بڑے دانش ور محقق حلّی رحمۃ رقمطراز ہیں:

الثّالث: الکنوز۔ وھو کلّ مال مذخور تحت الارض۔

جن اشیاء پر خمس واجب ہے ان میں کی۔ تیسری شئے خزانے ہیں۔ خزانوں سے مراد ہر وہ مال ہے جو حفاظت کی غرض سے زمین میں چھپا کر رکھ دیا گیا ہو۔ کنز کی اس تعریف کے بعد محقق اعلیٰ اللہ مقامہ تحریر فرماتے ہیں:۔

الخمس یجب فی الکنز، سواء کان الواجد لہ حرًّا أو عبدًا، صغیرًا او کبیرًا۔

خزانے یا دفینے پر خمس واجب ہے۔ خزانہ پانے والا چاہے آزاد ہو یا غلام اور چھوٹا ہو یا بڑا۔ ـــــــــــ (شرائع الاسلام جلد ۱۔ کتاب الخمس الفصل الاوّل صفحہ ۱۷۹-۱۸۱ مطبوعہ نجف اشرف)

اور اب کنز (خزانے) کے بارے میں رسولؐ و آلِ رسولؑ کے ارشادات:۔

قبلاً ہم اس کتاب کے ساتویں باب "سرگزشت خمس" میں حضور ختمی مرتبتؐ کا ایک فرمان پیش کرنے کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔ مگر یہاں موقع کی بات ہے۔ اس لیے ہم اس ارشاد گرامی کو دوبارہ مطالعے کے لیے درج کرتے ہیں۔

یہ حدیث شریف سرکار صادقِ آلِ محمدؐ اور حضرت امام رضا علیہما السّلام کی زبان اقدس سے ہم تک پہونچی ہے۔

(۱) امام جعفر صادق علیہ السّلام اپنے بزرگوں کے حوالے سے یوں رہنمائی فرماتے ہیں: "پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جناب امیر علیہ السّلام سے ارشاد فرمایا" اور امام رضا علیہ السّلام نے رحمۃٌ للعالمینؐ کے ارشاد عالی کو اس طرح بیان کیا۔ حدیث کی یہ عبارت حضرت ثامن الآئمہ سے منقول ہے۔

قال: کان لعبد المطّلب خمس من السنن، اجراھا اللہ لہ فی الاسلام حرّم نساء الآباء علی الابناء، و سنّ

فرمایا: جناب عبد المطّلب نے پانچ قاعدوں کی بنیاد ڈالی۔ پروردگار عالم نے ان قواعد وضوابطہ کو اسلام میں بھی نافذ العمل قرار دے

الدّية فی القتل مأة من الابل، | دیا۔ باپ کی بیویاں، بیٹوں پر حرام رہنگی
وکان یطوف بالبیت سبعة اشواط | قتل کی دیت سو اونٹ ہوگی۔ خانۂ کعبہ
ووجد کنزاً فاخرج منه الخمس و | کا طواف سات پھیروں میں مکمّل ہوگا
سمّی زمزم حین حفرها سقایة | آپ کو کہیں پر ایک خزانہ مل گیا تو اس
الحاج. | میں سے آپ نے خمس نکالی اور زمزم

کے کنویں کو دوبارہ کھودتے وقت اس کا نام سقایۃ الحاج رکھا۔

(وسائل جلد ۶۔ باب ۵۔ حدیث شمارہ ۴
صفحہ ۳۴۵۔ عیون اخبار الرضا جلد ۲۔ باب ۱۸
صفحہ ۱۹۰۔ مطبوعہ بیروت)

۲۔ عبد اللہ بن علی الحلبی راوی ہیں۔ | کہ انھوں نے سرکار صادق آل محمدؐ سے
انّه سأل اباعبد الله عن الکنز؟ | کنز (خزانے) کے بارے میں دریافت
کم فیه؟ فقال: الخمس۔ | کیا کہ اس پر کیا دینا پڑے گا۔؟ حضرت
نے ارشاد فرمایا: خمس!

(وسائل جلد ۶ باب ۵ حدیث شمارہ ۱
صفحہ ۳۴۵ الکافی صفحہ ۳۰۵ من لا یحضرہ الفقیہ
جلد ۱ صفحہ ۱۳۔ تہذیب جلد ۱ صفحہ ۳۸۳)

۳۔ اور اس حدیث کا تعلق جناب امیر علیہ السلام سے ہے۔

عن امیر المومنین علیہ السّلام ان رجلاً دفع الیہ مالاً اصابہ فی دفن الاوّلین فقال علیہ السّلام لنافیہ الخمس وھو علیك رد۔

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السّلام کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص کو پُرانے زمانے کے لوگوں کا زمین میں سینتا ہوا کچھ مال دستیاب ہو گیا تو اس نے وہ سب لاکر امامؑ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ امام عالی مقامؑ نے فرمایا: اس میں سے پانچواں حصّہ (خمس) ہمارا ہے اور باقی تم لے لو۔

(جامع احادیث الشیعہ جلد ۸ صفحہ ۵۳۹۔ بحوالہ مستدرک الوسائل)

دوسرے مکاتب فقہ بھی "کنز" (خزانے) میں خُمس کے قائل ہیں۔ مگر حسب روایت مقطع میں ایک سخن گسترانہ بات آپڑی ہے اور وہ یہ کہ ان کے ہاں محدّث اور فقیہ دفینے یا خزانے کو "کنز" کے بجائے "رکاز" کہتے ہیں۔!

چنانچہ محمّد بن اسمٰعیل بخاری فرماتے ہیں:

بابُ فِی الرِّکَازِ الْخُمُسُ وَقَالَ مَالِكٌ وَّابْنُ اِدْرِیْسَ الرِّکَازُ دِفْنُ الْجَاهِلِیَّۃ فِی قَلِیلِہٖ وَکَثِیْرِہِ الْخُمُسُ وَلَیْسَ

رکاز (خزانہ) میں پانچواں حصّہ (خمس) ہے، مالک اور ابنِ ادریس کہتے ہیں رکاز دورِ جاہلیت کا خزانہ ہے اس میں سے تھوڑا مال نکلے

اَلْمَعْدِنُ بِرِكَازٍ وَّقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فِيْ الْمَعْدِنِ جُبَارٌ وَّفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ	یا زیادہ اس سے پانچواں حصّہ وصول کیا جائے گا معدنیات خزانہ نہیں معدنیات کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کا ارشاد ہے کہ اس میں گر جانے والے کا کوئی تاوان نہیں اور رکاز میں پانچواں حصّہ ہے[1]

——— (صحیح بخاری۔ جلد ا۔ کتاب الزکوٰۃ صفحہ ۵۶۶ - مطبوعہ لاہور)

لیکن دوسرے مقامات پر کنز اور اموال مدفونہ کے الفاظ بھی کثرت سے نظر آتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

عن سراء بنت نبهان الغنويّة قالت: احتفر الحيّ في دار كلاب فاصابوا بها كنزاً عاديّاً۔ فقالت كلاب: دارنا۔ وقال الحيّ احتفرنا	حجاز میں غنی نام کا ایک قبیلہ تھا، اس خاندان کے ایک شخص نبہان کی لڑکی سراء بیان کرتی ہے: کہ اس کے کنبے والوں نے، قبیلہ کلاب کے محلے میں ایک جگہ کھدائی

[1] حجاز و عراق کے فقہاء معدن اور رکاز کے سلسلے میں اختلاف نظر رکھتے ہیں۔ بخاری نے اہلِ حجاز کے نقطۂ نگاہ کو بیان کیا ہے۔ عراق والوں کا تو یہ فیصلہ ہے کہ معدنیات اور دفینے دونوں پر قانون خمس کا اطلاق ہوگا۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے: عمدۃ القاری۔ بدر الدین عینی جلد ۹ صفحہ ۱۰۰۔ کتاب الاموال، ابو عبید۔ صفحہ ۴۶۷ - بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد۔ قاضی ابن رشد الحفید، جلد ا صفحہ ۲۳۷۔ نخعی

فنافروهم فی ذلك الی رسول الله صلی الله علیه وآله وسلّم فقضیٰ به للحّی واخذ منهم الخمس۔ فاشترینا بنصیبنا ذلك مأة من النعم۔

کی۔کھدائی میں انھیں (قوم عاد کے دور کا) یعنی بہت پرانے زمانے کا گڑا ہوا خزانہ (کنز) ہاتھ لگ گیا۔اس پر ہمارے خاندان اور کلاب کے گھرانے میں بحث وتکرار ہونے لگی! کلاب برادری کہتی تھی کہ خزانہ ہمارے محلہ سے ملا ہے۔لہٰذا ہمارا ہوا۔غنی خاندان کے افراد کا یہ دعوی تھا کہ زمین ہم نے کھودی ہے۔محنت ہماری ہے۔بنابریں یہ دفینہ ہمیں ملنا چاہیے۔الغرض! یہ مقدمہ حضور پیغمبر اکرمؐ کی عدالت عظمیٰ میں پیش کیا گیا۔سرکارؐ نے داوری فرمائی۔"خزانہ غنی قبیلے کو ملنا چاہیے" لیکن رحمت دوعالمؐ نے حاصل شدہ دفینے میں سے پہلے خمس نکال لی۔سرار بنت نبہان کہتی ہے کہ: مذکورہ خزانے سے ہمیں جو حصّہ ملا۔اس سے ہم نے سو چوپائے خریدے۔

(مجمع الزوائد۔جلد ۳ صفحہ ۷۸
عمدۃ القاری جلد ۹ صفحہ ۱۰۲)

نیز ایک واقعہ جناب عمر بن خطاب سے منسوب ہے۔شعبی روایت کرتے ہیں۔

أن رجلاً وجد الف دينارٍ مدفونة خارجاً من المدينة۔ فاتیٰ بها عمر بن الخطاب۔ فاخذ منها الخمس

مدینے سے باہر ایک شخص کو زمین میں گڑے ہوئے ایک ہزار دینار دستیاب ہوئے وہ اس رقم کو جناب عمر بن خطاب کے

مأتی دینار ودفع الی الرّجل بقیّتھا۔ پاس لایا۔ خلیفۂ ثانی نے اس میں سے دوسو ۲۰۰ دینار خمس کے لے کر باقی رقم اس شخص کو واپس کردی۔

(کتاب الاموال - ابو عبید صفحہ ۴۷۶ — سنن بیہقی جلد ۴ صفحہ ۱۵۶)

اور فقیہہ حرم الحافظ امام عبد الملک بن عبد العزیز بن جریح الرومی الاموی (متوفی ۱۵۰ھ) فرماتے ہیں۔

سمعت أنّ رجلاً اذا ابتاع ارضاً اودارًا فوجد فیھا مالاً عدیًّا نھو لہٗ وھو مغنمٌ

مجھ تک یہ بات پہونچی ہے کہ۔ اگر کوئی آدمی کہیں پر کوئی قطعۂ اراضی یا گھر خریدے اور اس میں سے قوم عاد کے زمانے کا یعنی پرانے دور کا کوئی خزانہ مل جائے تو وہ اسی کا ہے۔۔۔۔ اور اسے مال غنیمت سمجھنا چاہیے۔

(مُصنّف، عبد الرزاق جلد ۴۔ صفحہ ۳۵۷)

اب اس جملے سے دو باتیں بالکل واضح ہو جاتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مال غنیمت کی تخصیص جنگ کے ساتھ کرنا علم وعقل سے دست وگریباں ہونے کے مترادف ہے! بغیر جنگ کے بھی اگر کوئی فائدہ ہو جائے تو اسے مغنم (غنیمت) ہی کہا جائیگا۔

دوسری بات یہ کہ دفینہ جب مال غنیمت ٹھہرا تو پھر آیۂ مبارکہ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ۔۔۔۔ کے حکم محکم کے مطابق اس پر خمس واجب ہے۔

(۴) پانی سے نکالی جانے والی اشیاء

خمس کی چوتھی مد میں وہ چیزیں شامل ہیں جو پانی سے نکالی جاتی ہیں۔ پانی سے مراد۔ سمندر، دریا، جھیلیں اور تمام بڑی نہریں ہیں اور نکالنے کا مطلب غوّاصی یا غوطہ خوری یعنی پانی میں ڈبکی لگا کر یا مختلف آلات کے ذریعے کار آمد اشیاء کا برآمد کرنا ہے۔ مثال کے طور پر موتی۔ مونگے۔ عنبر اور اسی قسم کا بیش بہا آبی ذخیرہ۔

"آبی ذخائر" کے بارے میں معصومینؑ کی ہدایتیں :۔

(۱) عن الحلبی، قال : سالت اباعبدؑاللہ عن العنبر وغوص اللولوء ۔ فقال: علیہ الخمس۔

حلبی کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عنبر اور سمندر میں سے موتی نکالنے کے متعلق دریافت کیا تو امامؑ نے فرمایا کہ اس میں خمس واجب ہے۔

(وسائل جلد ۶۔ باب ۷۔ حدیث شمارہ ۱۔ صفحہ ۳۴۷

تہذیب جلد ۱ صفحہ ۲۸۳۔ الکافی صفحہ ۳۰۶)

(۲) محمد بن علی بن الحسین. قال: سئل ابو الحسن موسیٰ بن جعفرؑ عمّا یخرج من البحر من اللولؤ والیاقوت والزبرجد وعن معادن الذهب والفضّة هل فیها زکاة؟ فقال: اذا بلغ قیمته دینارًا ففیه الخمس.

محمد بن علی بن حسین کا بیان ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے سمندر سے نکلنے والی اشیاء جیسے موتی اور یاقوت و زمرّد نیز سونے چاندی کی کانوں کے بارے میں سوال کیا گیا۔ کیا ان میں زکوٰۃ واجب ہے؟ امامؑ نے جواب مرحمت فرمایا۔ حاصل شدہ شئی کی قیمت ایک دینار تک ہو تو اس پر خمس واجب ہے۔ (ایک دینار قیمت کا تعلق کان سے ملنے والی چیزوں سے نہیں بلکہ پانی سے نکالی جانے والی اشیاء سے ہے۔)

(وسائل جلد ۶ باب ۷ - حدیث شمارہ ۲ صفحہ ۳۴۷ - من لایحضرہ الفقیہ جلد ۱ صفحہ ۱۳)

(۳) عن عمّار بن مروان قال: سمعت ابا عبد الله علیه السّلام یقول: فیما یخرج من المعادن والبحر والغنیمة والحلال المختلط بالحرام اذا لم تعرف

عمّار بن مروان راوی ہیں کہ انھوں نے امام جعفر صادق علیہ السّلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا: کہ جو کچھ کانوں اور دریا (سمندر) سے نکلے غنیمت اور حرام آمیز حلال کی شکل میں ہمدست ہو۔ بشرطیکہ اس کا مالک شناخت نہ

صاحبه والکنوز الخمس. ہوسکے تو اس میں اور دفینوں میں خمس

واجب ہے۔

(وسائل جلد ۶۔ باب ۳۔ حدیث شمارہ ۶

صفحہ ۳۴۴۔ خصال صدوق جلد ۱ صفحہ ۱۳۹

جامع الاحادیث جلد ۸ صفحہ ۵۳۴)

اور ہمارے علمائے اعلام کا ارشاد ہے۔

محقق حلّی فرماتے ہیں: الرّابع: کلّ مایخرج من البحر بالغوص، کالجواھر

والدّرر، بشرط أن یبلغ قیمته دینارًا فصاعدًا۔

چہارم: ان تمام اشیاء پر خمس واجب ہے،

جو زیرِ آب جا کر نکالی جائیں۔ جیسے درّ و جواہر،

مگر اس شرط کے ساتھ کہ برآمدہ شدہ چیزوں

کی قیمت ایک دینار اور اس سے اوپر ہو۔

محقّق اعلیٰ مقامہ کی تصریحات کے مطابق عنبر

پر بھی اسی قاعدے کا اطلاق ہوگا۔ (شرائع الاسلام۔ کتاب الخمس،

الفصل الاوّل جلد ۱ صفحہ ۱۸۰)

نیز صاحب عروۃ الوثقیٰ یوں رہنمائی کرتے ہیں۔

الرّابع: الغوص۔ وهو اخراج الجواهر من البحر مثل اللؤلؤ والمرجان وغيرهما معدنيًا كان او نباتيًا لا مثل السّمك ونحوه من الحيوانات فيجب فيه الخمس بشرط أن يبلغ قيمته دينارًا فصاعدًا فلا خمس فيما ينقص من ذلك: ——— (عروة الوثقى۔ جلد ۲۔ کتاب الخمس۔ صفحہ ۳۷۷ مطبوعہ بیروت)

شمارہ چہارم: غوطہ وری۔ یعنی، سمندر میں سے جواہر کا اخراج۔ مثلاً موتی (PEARL) مرجان (CORAL) وغیرہ نیز برآمد ہونے والی اشیاء کا تعلق خواہ معدنیات سے ہو یا نباتات کی قسم سے ہو۔ ہاں! مچھلی اور مچھلی جیسے جانور آبی برآمدات میں شامل نہیں ہیں مچھلی وغیرہ کے علاوہ مذکورہ چیزوں پر خمس واجب ہے۔ بشرطیکہ ان کی قیمت ایک دینار اور اس سے زیادہ ہو۔

اچھّا! اب رہی سوادِ اعظم کی بات، تو اس مسئلے میں پورے طور پر ہانکے پکارے وہ ہمارے ساتھ شامل نہیں ہیں۔ ان کے بڑے آئمہ فقہ میں سے لے دے کر ایک تو امام ابو یوسف ہیں جو تحریر فرماتے ہیں۔

(فصل فی مایخرج من البحر) فانّ مایخرج من البحر من حلیةٍ والعنبر الخمس۔

فصل: سمندر سے نکلنے والی چیزیں۔
سمندر میں سے جو کچھ برآمد ہو۔ چاہے وہ آرائش
وزیبائش کے لیے استعمال ہونے والا سامان ہو (موتی
مونگے۔) یا خوشبو کی قسم کی چیز جیسے عنبر، اس پر خمس ہے۔

———— کتاب الخراج۔ صفحہ ۸۳)

اور ابو عبید نے اس موقع پر دو قول لکھے ہیں۔ ایک میں زکوٰۃ کی فرضیت ہے اور دوسرے میں خمس کا وجوب ہے۔

—— (کتاب الاموال۔ صفحہ ۳۴۵ - ۳۴۸)

نیز ایک اور حوالہ بھی ملتا ہے۔ اس کے مطابق عمر بن عبدالعزیز نے عروہ بن زبیر سے لکھ کر دریافت کیا تھا کہ "ہمارے اسلاف "عنبر" کے بارے میں کیا فرماتے ہیں"؟
عروہ بن زبیر نے جواباً ترقیم کیا۔ میرے نزدیک ثابت ہے کہ پچھلے لوگ "عنبر" کو غنیمت کا درجہ دیتے تھے۔ اور اس میں سے خمس لی جاتی تھی۔

(مصنف عبدالرزاق جلد ۴۔ صفحہ ۶۴ - ۶۵)

(۵) وہ کمائی جس میں ناجائز آمدنی بھی شامل ہو۔

فقہاء کی زبان میں "مال حلال مخلوط بحرام"۔ یہاں دوسرے مکاتب بالکل خاموش ہیں۔ لیکن شیعہ مسلک یہ ہے، کہ جن چیزوں پر قانون خمس کا اطلاق ہوتا ہے۔ ان میں کی پانچویں شئی وہ جائز مال ہے جس میں ناجائز آمدنی کی آمیزش ہوگئی ہو۔

مقصد یہ کہ: اگر حلال مال میں کوئی حرام مال اس طرح مل جائے کہ اس کا الگ کرنا عملی طور پر ناممکن ہو۔ نیز مخلوط رقم کے مالک اور اس رقم یا مال کی مقدار سے بھی آگاہی نہ ہو۔ علاوہ ازایں یہ بھی نہ جانتا ہو کہ جس ناجائز پیسے یا مال کی آمیزش ہوئی ہے وہ خمس سے زیادہ ہے یا کم! تو جس کی ذمہ داری ہے اسے چاہیے کہ پورے مال میں سے خمس ادا کردے اور باقی اپنے مصرف میں لے آئے۔

اس ضمن میں آئمہ طاہرینؑ کے فرمودات:

(۱) عن السکونی عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال: اتی رجلٌ امیر المومنین علیہ السلام فقال: اِنّی کسبت مالاً اغمضت فی مطالبہ حلالاً وحراماً و	سکونی کا بیان ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ: ایک شخص نے جناب امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: یا امیر المومنین! میں نے دولت کمائی ہے۔ مگر کاروبار میں جہاں حرام و حلال

قد اردت التوبة ولا ادری الحلال والحرام وقد اختلط علیّ۔ فقال امیر المومنین علیہ السّلام: تصدّق الاشیاء بالخمس وسائر المال لک حلال۔

کے مسائل پیش آئے۔ وہاں مجھ سے تساہل ہوا۔ اب میں تائب ہونا چاہتا ہوں۔ لیکن یہ بتانا مشکل ہے کہ میرے مال میں جائز و ناجائز کا تناسب کیا ہے کیونکہ یہ سب مخلوط ہو چکا ہے۔

جناب امیر علیہ السّلام نے فرمایا: تم اپنے مال کا پانچواں حصّہ خدا کی راہ میں نکال دو کیونکہ جن اشیاء کی خمس ادا کر دی جاتی ہے انھیں اللہ کی رضایت حاصل ہو جاتی ہے اور خمس دینے کے بعد باقی تمام مال تمہارے لیے جائز ہوگا۔ (وسائل جلد ۶ باب ۱ حدیث شمارہ ۴ صفحہ ۳۵۳۔ فروع کافی جلد ۱ صفحہ ۳۶۲۔ من لایحضرہ الفقیہ جلد ۲ صفحہ ۶۲)

(۲) سئل ابو عبد اللہ علیہ السّلام عن رجلٍ اکتسب مالاً من حلالٍ وحرامٍ ثم اراد التّوبة من ذلك ولم یتمیّز لہ الحلال بعینہ من الحرام فقال: یخرج منہ الخمس وقد تاب، ان اللہ

صادق آل محمدؑ سے دریافت کیا گیا۔ ایک آدمی نے حلال وحرام دونوں طریقوں سے کمائی کی اب وہ تائب ہونا چاہتا ہے۔ مگر جائز و ناجائز کا بعینہ امتیاز اس کے لیے دشوار ہے۔ لہذا کیا کرنا چاہیے؟ امامؑ نے ارشاد فرمایا: اس مال میں سے خمس نکال دے۔ تائب ہو گیا۔ کیونکہ

طهّر الاموال بالخمس۔ پروردگار عالم نے مال و متاع کو خمُس کے ذریعے پاک قرار دیا ہے۔ ——— (جامع الاحادیث جلد ۸ صفحہ ۵۴۴)

اور ہمارے بزرگ علمائے فقہ میں سے :

صاحبِ شرائع فرماتے ہیں :

الحلال اذا اختلط بالحرام ولا یتمیّز وجب فیه الخمس۔

حلال آمدنی اگر حرام میں مل جائے، اور شناخت نہ ہو سکے

تو اس پورے مال پر خمس واجب ہے۔

(شرائع الاسلام۔ کتاب الخمس جلد ۱ صفحہ ۱۸۱)

نیز خلد آشیاں آیۃ اللہ سید محمد کاظم یزدی طباطبائی کا ارشاد ہے۔

(الخامس) المال الحلال المخلوط بالحرام علی وجه لا یتمیّز مع الجهل بصاحبه وبمقداره فیحلّ باخراج خمسه۔

پنجم :۔ وہ حلال مال جو حرام مال میں اس طرح خلط ملط ہو جائے کہ پہچان نہ رہے اور اس کے مالک اور مقدار کا بھی علم نہ ہو تو ایسی صورت میں اس رقم کی خمس نکال دی جائے۔ بقیہ مال جائز ہو جائے گا۔

(عروۃ الوثقی۔ جلد ۲ کتاب الخمس صفحہ ۳۷۹۔ مطبوعہ بیروت)

(۶) مسلمان سے ذمّی کا خرید اہوا قطعۂ اراضی

مقصد یہ کہ اسلامی ریاست کا کو صاحب کتاب "غیر مسلم شہری" اگر کسی مسلمان سے کوئی غیر منقولہ جائیداد جیسے، مکان ۔ دوکان یا زرعی اراضی خریدے گا تو اس ذمّی یا ملک کے غیر مسلم باشندے کو خرید کردہ زمین کی خمس ادا کرنا پڑے گی ۔ اس مسئلے میں بھی شیعہ منفرد ہیں!

صادق آل محمدؐ امام جعفر صادق علیہ السّلام ارشاد فرماتے ہیں:

ایّما ذمّی اشتری من مسلمٍ ارضاً فانّ علیہ الخمس۔

جو ذمّی کسی مسلمان سے کوئی زمین خریدے گا، تو اس پر خُمس واجب ہوگی۔

(وسائل جلد۶۔ باب ۹۔ حدیث شمارہ ۱ صفحہ ۳۵۲، تہذیب جلد ۱ صفحہ ۳۸۴ من لایحضرہ الفقیہ جلد ۱۔ صفحہ ۱۴)

اور یہ دوسری حدیث بھی سرکار صادق آل محمدؐ سے ماثور ہے۔ فرماتے ہیں۔ الذّمی اذا اشتری من المسلم الارض فعلیہ فیھا الخمس۔

ذمّی اگر مسلمان سے زمین خریدے گا تو اس زمین پر اسے
خمس دینا پڑے گی۔

(وسائل جلد ۶۔ باب ۹ حدیث شمارہ ۲ صفحہ ۳۵۲۔ المقنعہ صفحہ ۴۶)

اس بارے میں محقق حلّی تحریر فرماتے ہیں:

اذا اشتری الذّمّی أرضًا من مسلمٍ وجب فیھا الخمس

کسی ذمّی نے اگر کسی مسلمان سے کوئی زمین خریدی تو
اس پر خمس واجب ہوگی۔

(شرایع الاسلام۔ کتاب الخمس۔ جلد ۱ صفحہ ۱۸۰)

اور عروۃ الوثقیٰ کے مصنّف رقمطراز ہیں:

(السّادس) الارض الّتی اشتراھا الذمی من المسلم، سواء کانت ارض
مزرعٍ او مسکنٍ او دکان او خانٍ فیجب فیھا الخمس۔

ششم: وہ زمین جو کوئی ذمّی کسی مسلمان سے خریدے۔
یہ خواہ مزروعہ اراضی ہو، سکنی قطعہ ہو، دکان یا مسافر خانے
(ہوٹل۔ موٹیل وغیرہ) کی زمین ہو، اس پر قانون خمس کا
اطلاق ہوگا۔

(عروۃ الوثقیٰ جلد ۲۔ کتاب الخمس، صفحہ ۳۸۶ مطبوعہ بیروت)

(۷) کمائی — اور — بچت

خمس ہر آمدنی پر واجب ہے۔ خواہ یہ تجارت و زراعت سے ہو، صنعت و حرفت سے ہو۔ محنت و مشقت سے ہو اور چاہے انعام و اکرام یا کسی اور طور طریقے سے۔ بہر حال! ناگزیر کاروباری مصارف نیز ہر شخص کے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے ضروری سالانہ خرچے کے بعد جو رقم بچ رہے۔ اس میں سے خمس ادا کرنا فرض ہے۔

اس سلسلے میں ہمارے آئمۂ اطہارؑ کے احکام :۔

والخمس من الاموال مرّة واحدة :

مامون الرشید کے نام ایک ہدایت نامے میں حضرت امام رضا علیہ السّلام نے ترقیم فرمایا ہے: "تمام مال و متاع پر ایک مرتبہ خمس واجب ہے۔"

(وسائل جلد ۶ باب ۲۔ حدیث شمارہ ۱۲
صفحہ ۳۴۱ تحف العقول۔ ابن شعبہ حرّانی
صفحہ ۳۰۸ مطبوعہ بیروت)

امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان:

عن عبد اللہ بن قاسم الحضرمی، عن عبد اللہ بن سنان۔ قال ابو عبد اللہ علی کلّ امریءٍ غنم او اکتسب الخمس......

آدمی کو چاہے غنیمت ملے یا تجارت سے کوئی فائدہ حاصل ہو، ہر حال میں خمس دینا پڑے گی۔

(وسائل جلد ۶ باب ۸۔ حدیث شمارہ ۸
تہذیب جلد ا صفحہ ۳۸۴)

امام جواباً تحریر فرماتے ہیں:

عن احمد بن محمد بن عیسیٰ بن یزید قال کتبت: جعلت لک الفدا أتعلّمنی ما الفائدۃ وما حدّھا؟ رأیک ابقاک اللہ أن تمّن علی ببیان ذلک لکی لا اکون مقیما علیٰ حرامٍ لا صلوٰۃ لی ولا صوم۔ فکتب: الفائدۃ ممّا یفید الیک فی تجارۃٍ من ربحھا وحرثٍ بعد الغرام أو جائزۃٍ۔

احمد بن محمد بن عیسیٰ بیان کرتے ہیں کہ: یزید بن (اسحٰق) نے امامؑ کی خدمت میں یہ عریضہ ارسال کیا۔ قربانت شوم! حضور! مجھے یہ بتائیں کہ فائدہ کسے کہتے ہیں۔ اس کی حد

کیا ہے اور اس بارے میں آپ کی رائے۔؟ خدا آپ
کے سائے کو برقرار رکھے۔ ان امور کی وضاحت فرمادیں۔
بڑا کرم ہوگا۔ تاکہ میں حرام زندگی بسر کرنے سے محفوظ رہ سکوں۔
اس وقت۔ نہ تو میری نماز صحیح ہے اور نہ روزہ درست ہے،
امام ہمامؑ نے جواباً تحریر فرمایا: تجارت کے نفع اور
کھیتی باڑی سے لازمی مصارف کے بعد جو بچ جائے یا پھر
انعام واکرام میں کہیں سے کچھ مل جائے۔ بس اوہی فائدہ ہے،

——— (وسائل جلد ۶ باب ۸
حدیث شمارہ ۷ صفحہ ۳۵۰۔ الکافی صفحہ ۳۰۴)

امام علی نقی علیہ السّلام کا ارشاد:

عن سعد بن عبد اللہ عن احمد بن محمّد عن علی بن مھزیار عن علی
بن محمد بن شجاع النیسابوری، أنّہ سأل ابا الحسن الثالث علیہ السّلام:
عن رجل اصاب من ضیعتہ مأۃ کرٍ من الحنطۃ مایزکی فاخذ منہ العشر
عشرۃ اکرار وذھب منہ بسبب عمارۃ الضیعۃ ثلاثون کرًّا وبقی فی یدہ
ستّون کرًّا ما الذی یجب لک من ذلک وھل یجب لاصحابہ من ذلک شیٔ؟
فوقّع: لی منہ الخمس ممّا یفضل من موونتہ۔

سعد بن عبد اللہ، احمد بن محمد سے وہ علی بن مہزیار سے اور

وہ علی بن محمد بن شجاع سے ناقل ہیں کہ انھوں نے، دسویں

امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش کیا۔ کہ:

کسی آدمی کو اپنی مملوکہ اراضی سے سو کُر[1] گیہوں ملے۔ ان

پر زکوٰۃ بھی تھی۔ لہٰذا دس کُر عشر کے نکل گئے۔ اور تیس کُر

زمینوں کی آباد کاری پر لگ گئے۔ باقی رہے، ساٹھ کُر۔

تو اب اس بچت پر آپ کے حصے کی کیا مقدار ہوگی؟ اور

کیا کسی اور کا بھی مزید اس پر کوئی حق ہے؟

امامؑ نے رقم فرمایا: "سال بھر کے خرچے سے جتنا زیادہ ہو، اس

کا پانچواں حصہ (خمس) ہمارا ہے۔"

(وسائل الشیعہ جلد ۶۔ باب ۸

حدیث شمارہ ۱۔ صفحہ ۳۴۸۔ تہذیب الاحکام جلد ۱

صفحہ ۳۸۴ استبصار جلد ۲ صفحہ ۵۵)

---

[1] آیۃ اللہ میلانی نور اللہ مرقدہ نے جو حساب نکالا ہے۔ اس کے مطابق ایک کُر تین سو اسّی کیلو اور سولہ گرام کے برابر ہے (380 Kg 16 grams) کے برابر ہے (حاشیہ عروۃ الوثقیٰ جلد ۱ صفحہ ۳۵۔ طبع بیروت)

امام محمد تقی علیہ السّلام کا مکتوب گرامی :۔

احمد بن محمدّ اور عبد اللہ بن محمدّ کہتے ہیں ۔ کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام نے "خمس اور بعض دوسرے مسائل کے سلسلے میں" علی بن مہزیار کو ایک خط تحریر فرمایا تھا۔ ہم نے اس گرامی نامے کو مکّے کے راستے میں پڑھنے کی عزّت حاصل کی ۔ اس میں مرقوم تھا۔

"یہ نامہ عالی چونکہ خاصا طویل ہے ۔ اس لیے ہم یہاں اس کا صرف وہ حصّہ درج کرنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں جو اس کتاب کے موضوع سے متعلق ہے ۔":

فامّا الغنائم والفوائد فھی واجبۃٌ علیھم فی کلّ عام ۔قال اللہ ۔تعالےٰ وَاعْلَمُوٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ لا اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰہِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ط وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ (سورہ انفال، آیت: ۴۱)

والغنائم والفوائد یرحمك اللہ فھی الغنیمۃ یغنمھا المرء والفائدہ یفیدھا والجائزۃ من الانسان للانسان التی لھا خطر والمیراث الذی لا یحتسب من

غيراب ولا ابن ومثل عدوّ يصطلم فيؤخذ ماله ومثل مال يؤخذ ولا يعرف له صاحب وما صار الى مواليَّ من اموال الخرّمية الفسقة فقد علمت ان اموالاً عظاماً صارت الى قوم من مواليَّ فمن كان عنده شيئ من ذلك فليوصله الى وكيلى ومن كان نائياً بعيد الشقّة فليتعمد لا يصاله ولو بعد حين فان نيّة المؤمن خير من عمله۔

فوائد اور منافع کی خمس ہر سال ان پر واجب ہے۔ پروردگار عالم ارشاد فرماتا ہے: اور تمھیں معلوم ہو کہ تم نے جو فائدہ حاصل کیا ہے اس میں کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسولؐ اور (رسولؐ کے) قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ اگر تم خدا اور اس (غیبی امداد) پر ایمان لا چکے ہو جو ہم نے اپنے بندے (محمدؐ) پر فیصلے کے دن (یعنی جنگ بدر میں) دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ کے روز نازل کی تھی۔ (تو یہ حصہ بخوشی ادا کر دو) اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

خدا تم پر مہربان رہے۔ کسی طرح کی کمائی ہو، کسی قسم کی آمدنی ہو۔ کوئی شخص کسی کو ہدیے یا تحفے کے طور پر کچھ قابل لحاظ رقم وغیرہ دے دے۔ غیر متوقع طور پر کہیں سے ورثہ مل جائے

(باپ اور بیٹے کی میراث) کے علاوہ دشمن ہتھیار ڈال دے

اور اس کا مال و متاع قبضے میں آجائے۔ کوئی ایسا اثاثہ

دستیاب ہو جائے جس کے مالک کا پتہ نہ چل سکے یا پھر

وہ دولت جو ہمارے ماننے والوں کو خرّمی فاسقوں[1] کی شکست

---

[1] بابک خرّم، یوں تو ایک چرواہا تھا۔ لیکن اپنی غیر معمولی ذہانت، آہنیں عزم اور جاویدان بن سہرک کی مدد سے وہ ایک اسلام دشمن تحریک کا سرغنہ بن گیا۔ مامون الرّشید کے زمانے میں اس نے آذربائیجان سے اپنا کام شروع کیا۔ زیادہ ترمزدکی اور زردشتی اس کے ہمنوا تھے۔ کوئی بیس سال تک ایشیائے کوچک سے لیکر دجلہ و فرات کے ساحل تک مسلسل بے چینی کے طوفان برپا کرتا رہا بیسیوں قتل کیے۔ بے دریغ خون بہایا۔ طاقت کے ساتھ اس نے دولت بھی بہت جمع کی تھی معتصم کے دور میں اسحٰق بن ابراہیم کی قیادت میں ایک ترک نژاد فوجی افسر افشین نے جم کر اس کا مقابلہ کیا اور اس کی اسلام دشمنی کے باعث پوری امّت اسلامیّہ نے اس کے استیصال میں بھرپور حصّہ لیا۔ ۲۲۰ھ میں بابک کو شکست ہوئی اور آرمینیا کی پہاڑیوں سے گرفتار کر کے سامرہ لایا گیا اور پھر اپنے کیفر کردار کو پہونچا۔ امام عالی مقامؑ نے اپنے نامہ گرامی میں اسی خون آشام معرکے کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ تاریخوں میں اسے خرّمی بدعت۔ بابک کا خروج یا خرّمی فاسقوں کی جنگ کا نام دیا جاتا ہے۔

ملاحظہ ہو۔ مروج الذہب مسعودی جلد ۲ صفحہ ۴۶۲ مطبوعہ بیروت۔ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۲۳۳۔ مطبوعہ لیدن)

کے نتیجے میں حاصل ہوئی ہے۔ یہ تمام محاصل نفع اور فائدے کے زمرے میں آتے ہیں۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہمارے دوستوں کو خرّمی فرقے کے ذخائر سے خاصی ثروت ہمدست ہوئی ہے۔ بنابریں جس کے پاس اس مدّ کی کوئی چیز ہو اسے چاہیے کہ ہمارے نمائندے کو پہونچادے اور جو کسی دور دراز علاقے میں رہتا ہو وہ پہونچانے کا تہیّہ کرلے۔ خواہ دیر ہی سے کیوں نہ پہونچائے۔ اس لیے کہ مؤمن کی نیّت اس کے عمل سے بھی بہتر ہوتی ہے۔

(وسائل جلد ۶ باب ۸
حدیث شمارہ ۵۔ صفحہ ۳۴۹۔
تہذیب جلد ا صفحہ ۳۸۴)

فقہ الرّضاؑ سے ایک حدیث:۔

آیہ مبارکہ: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ ...... کے بعد ارشاد ہوتا ہے:۔

وکلّما افادہ النّاس غنیمۃٌ، ولا فرق بین الکنوز والمعاون والغوص - وربح التجارۃ وغلّۃ الضّیعۃ وسائر الفوائد والمکاسب والصّناعات والمواریث وغیرھا، لانّ الجمیع غنیمۃٌ وفائدۃ:

جن طریقوں سے بھی لوگ استفادہ کریں وہ غنیمت ہے۔

زمین میں گڑے ہوئے خزانے، کانوں میں چھپی ہوئی دولت اور پانی کی تہہ سے ہمدست ہونے والی ثروت میں کوئی فرق نہیں۔ تجارت سے ملنے والے نفع، مملوکہ آراضی سے حاصل شدہ غلّے اور اسی طرح وہ تمام فائدے جو کاروبار، مصنوعات اور (غیر متوقع) ورثے سے دستیاب ہوتے ہیں، یہ سب اپنی تمام شکلوں کے ساتھ غنیمت اور فائدے کے زمرے میں آتے ہیں۔

——— (ماخوذ از: جامع احادیث الشیعہ جلد ۸ صفحہ ۵۴۸)

ہمارے فقہائے کرام میں سے عظیم دانش مند، الشریف الاجل سید مرتضیٰ علم الہدیٰ (متوفی ۴۳۶ھ) اپنی بیش بہا تصنیف "الانتصار" میں مسائل کتب الخمس کے زیرِ عنوان تحریر فرماتے ہیں:

وممّا انفردت به الامامیّة القول: بانّ الخمس واجبٌ فی جمیع المغانم و المکاسب وممّا استخرج من المعادن والغوص والکنوز وممّا فضل من ارباح التّجارات والزّراعات والصّناعات بعد المؤنة۔

نیز شیعہ جن فقہی مسائل میں منفرد ہیں۔ ان میں وجوب خمس
کی یہ صورت بھی ہے کہ:۔

تمام منافع، جملہ کاروباری فوائد۔ معدنی ذخائر۔ پانی سے نکالی جانے والی غیر حیوانی دولت۔ پرانے زمانے کے دفینے۔ اس کے علاوہ بیوپار، کاشتکاری اور صنعتوں سے ہونے والی آمدنی پر سالانہ مصارف منہا کرنے کے بعد خمس واجب ہے۔

(الانتصار۔ باب وجوب الخمس فی جمیع المغانم صفحہ ۸۶۔ مطبوعہ بیروت)

محقّق حلّی کا ارشاد:

مایفضل من مؤنۃ السنۃ، لہ ولعیالہ من ارباح التّجارات والصّناعات والزّراعات۔

تجارت، صنعت اور زراعت کے منافع سے اپنا اور متعلقین کا سال بھر کا خرچہ نکالنے کے بعد جو بچ رہے اس پر خمس واجب ہے۔

(شرائع الاسلام۔ کتاب الخمس جلد ۱ صفحہ ۱۸۰ مطبوعہ نجف اشرف)

اور علاّمہ سیّد محمّد کاظم یزدی رقمطراز ہیں:

السّابع: مایفضل عن مؤونۃ سنتہ ومؤونۃ عیالہ من ارباح التّجارات ومن سایر التکسّبات من الصنّاعات والزّراعات والاجارات حتی الخیاطۃ والکتابۃ والتّجارۃ والصّید وحیازۃ المباحات واجرۃ العبادات الاستیجاریۃ من الحجّ والصّوم والصّلاۃ والزّیارات وتعلیم الاطفال وغیر ذلک من الاعمال التّی لھا اجرۃ۔

جن اشیاء پر خمس واجب ہے ان میں کی ساتویں چیز وہ پونجی ہے جو کسی شخص کے اپنے ذاتی مصارف اور اس کے اہل وعیال کے سال بھر کے خرچے سے بچ جائے۔ یہ بچت تجارتی منافع سے ہو۔ مختلف کاروباری شعبوں کی آمدنی سے ہو، جیسے مصنوعات، کاشتکاری، کرایہ جات سلائی۔ کتابت یا بڑھئی کا کام۔ اسی طرح شکار۔ جائز ذخیرہ کاری۔ اجارے کی عبادتیں۔ مثلاً کچھ لے کر حج بدل قضا نمازوں اور روزوں کی ادائیگی معاوضہ لے کر کسی کی جانب سے زیارات عتبات عالیہ کی بجا آوری۔ بچّوں کی تعلیم۔ وغیرہ۔

" الغرض! ہر وہ کام جس کے مقابلے میں کرایہ - مزدوری فیس - الاؤنس) یا تنخواہ حاصل ہو - اور اگر سال بھر کے اخراجات کے بعد اس میں سے کچھ باقی رہتا ہے تو اس پر خمس کے قانون کا نفاذ ہوگا۔"

(عروۃ الوثقیٰ - جلد ۲ - کتاب الخمس صفحہ ۳۸۹ مطبوعہ بیروت)

۱۳

مواضع خمس:

خمس کا مصرف کیا ہے۔ کہاں خرچ کی جائے؟ یہ کس کا حق ہے اور کس کا حصّہ ہے؟ شریعت نے کن لوگوں کو خمس لینے کا مجاز قرار دیا ہے اور کسے اسلامی مالیات کے اس ذریعے سے استفادے کی اجازت نہیں دی گئی؟ ــ پھر خمس کے مواضع یا اس کے خرچ کی مدوں کے تعیّن اور تخصیص کی وجہ ــ؟

بظاہر تو یہ سیدھے سے چند قانونی سوالات ہیں۔ مگر ان استفسارات کے پیچھے مسلمانوں کی سیاست کا ایک خاص رویّہ اور ان کی اجتماعی تاریخ کا ایک عجیب و غریب تعامل حد درجہ قابل توجّہ ہے۔ کیونکہ اسی باعث زیر نظر مسئلے میں فرزندان توحید

کے دو الگ الگ موقف نظر آتے ہیں اور دو مختلف سمتیں دکھائی دیتی ہیں ــــ بہر کیف! بات بڑی طویل اور بحث خاصے معرکے کی ہے۔ لیکن! ہم کم سے کم لفظوں میں خمس کے اس گوشے پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے مقصد پر آتے ہیں۔

جس آیۂ وافی ہدایہ میں خمس ادا کرنے کا فرمان ہے۔ اسی آیت میں اس کے مصرف، مقصد اور تقسیم کا بھی بیان ہے۔

آیت کا آغاز، وَاعْلَمُوْٓا ...... سے ہوتا ہے۔ یعنی! تم جانو۔ تمھیں معلوم ہو گویا، پروردگار عالم اپنے بندوں کو خصوصیت کے ساتھ خمس اور اس سے متعلق احکام کی تعلیم دے رہا ہے اور جو واجب التعمیل، اوامر فکر و ذہن کے سامنے لائے جا رہے ہیں، ان کی یوں توضیح کی جاتی ہے۔ اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ تم نے جس چیز سے بھی اغتنام یا اکتساب کیا ہے۔ فائدہ اُٹھایا ہے۔ نفع کمایا ہے۔ تو اس کے بارے میں مقرّرہ قاعدہ یہ ہے۔ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ۔ کہ اس کا پانچواں حصّہ اللہ کا ہے۔ وَلِلرَّسُوْلِ۔ اور اس کے رسولؐ کا ہے۔ وَلِذِی الْقُرْبٰی۔ اور (رسولؐ کے) قرابت داروں کا ہے۔ وَالْیَتٰمٰی اور یتیموں کا ہے۔ وَالْمَسٰکِیْنِ اور مسکینوں کا ہے۔ وَابْنِ السَّبِیْلِ اور پردیسیوں کا ہے۔ اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ۔ اگر تم اللہ پر ایمان لا چکے ہو۔ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ نیز ان حقائق پر بھی یقین رکھتے ہو جو ہم نے اپنے بندے (محمدؐ) پر معرکہ بدر کے ہنگام۔ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ اور دونوں فوجوں کے روبرو ہونے

کے دن نازل کئے تھے۔ تو تفصیل کے مطابق اور ہماری ہدایات کی روشنی میں یہ حصّے خوشی خوشی اور جوں کے توں ان کے حقداروں تک پہونچادو۔ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَئٍ قَدِیْرٌ ○ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

———— (سورۂ انفال۔ آیت: ۴۱)

اب اس مسئلے کو یوں سمجھیے! کہ۔ آدھا خمس تو اسلامی ریاست کے میزانیئے (BUDGET) ——کا حصّہ ہے اور اس اعتبار سے بس! سچے اولیائے حکومت ہی کو اس پر حق تصرف حاصل ہے۔

دیکھئے! حاکمِ حقیقی خداوند عالم ہے۔ اسی نے فرماں روائی کا حق اپنے آخری نبیؐ کو تفویض فرمایا۔ رسولؐ مقبول نے خدا ہی کے حکم سے اپنے جانشین مقرّر کیے۔ اور جانشینانِ رسولؐ نے ہدایت فرمائی کہ غیبت امامؑ کے زمانے میں ذمّے دار فقہاء رہنمائی کا فرض انجام دیں گے۔ لہٰذا تمام مسائل حیات میں قوم ان سے رجوع کرے۔

بنابریں خمس میں سے اللہ، رسولؐ اور ذی القربٰیؑ کے تین حصّے تو مملکت اسلامیّہ کی ضروریات پورا کرنے یا "اعلائے کلمۂ حق" کے لیے مخصوص ہیں اور یہی خمس کا مصرف ومقصد ہے۔

————

اب رہا خمس کا دوسرا نصف! تو یہ خاندانِ رسالتؐ کے ان افراد کا مقسوم ہے جو واقعاً مستحق (DESERVING) ہوں۔

یہ تخصیص اس لیے کی گئی کہ آل رسولؑ کے واسطے عامۃ النّاس کے تمام صدقات واجبہ (زکوٰۃ۔ فطرہ) کا استعمال ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔ سو! ہیں وہ بھی آدمی! اور انھیں بھی جینے کا حق ہے۔ لہٰذا شریعت نے ان کے لیے خمس میں گنجائش پیدا کر دی۔

محمّد بن جریر بن یزید بن کثیر طبری اپنی تفسیر میں ترقیم کرتے ہیں۔

عن ابی العالیۃ الرّیاحی: قال: کان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یؤتی بالغنیمۃ فیقسمھا علیٰ خمسۃ تکون اربعۃ اخماس لمن شھدھا۔ ثم یاخذ الخمس فیضرب بیدہ فیہ فیأخذ منہ الّذی قبض کفّہ، فیجعلہ للکعبۃ، وھو سھم اللہ ثم یقسم مابقی علیٰ خمسۃ اسھمٍ، فیکون سھم للرّسول وسھم لذی القربیٰ وسھم للیتامیٰ وسھمٌ للمساکین	ابوالعالیۃ الرّیاحی کا بیان ہے: کہ پیغمبرؐ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب غنیمت کا مال آتا تھا تو آپ اس کے پانچ حصّے کرتے تھے۔ چار حصّے تو معرکے میں شریک ہونے والوں کو مرحمت فرماتے تھے اور پانچویں حصّے میں سے پہلے مٹھی بھر خانۂ کعبہ کے لیے الگ فرما لیتے تھے، یہ اللہ کا حصّہ ہوتا تھا اور باقی کو اس عنوان سے مزید پانچ حصّوں میں تقسیم فرماتے تھے۔ ایک حصّہ رسولؐ کا، ایک حصّہ ذی القربیٰ کا، ایک یتیموں کا، ایک ناداروں کا اور ایک حصّہ

وسهمٌ لابن السّبیل۔ مسافروں کا ہوتا تھا۔

(تفسیر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۴)

اور مشہور مفسّر نظام نیشاپوری لکھتے ہیں:

عن ابن عبّاس أنّہ کان یقسم علی ستّۃٍ، للّٰہ، وللرّسول سهمان وسهم لأقاربہ حتّیٰ قبض فاجریٰ ابوبکر الخمس علی ثلاثۃ وهم الیتامیٰ والمساکین قال وابن السّبیل وکذلك روی عن عمر ومن بعدہٗ من الخلفاء وروی أن ابابکر منع بنی هاشم الخمس۔

جناب ابن عبّاس کی روایت ہے کہ سرکار نبی کریمؐ، خمس کو چھ۶ حصوں میں تقسیم فرماتے تھے۔ دو۲ حصّے اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے ہوتے تھے اور ایک حصّہ رسولِ مقبولؐ کے قرابت داروں سے مختص ہوتا تھا نیز حضورؐ پر نور کی زندگی کے آخری وقت تک یہی دستور رہا۔ مگر بعد میں جناب ابوبکر نے خمس کے تین حصّے کر دئے۔ یتیم، مسکین اور پردیسی۔ نیز جناب عمر بن خطّاب سے بھی یہی روایت منسوب ہے اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جناب ابوبکر نے بنو ہاشم کو خمس سے محروم کر دیا تھا۔

(تفسیر غرائب القرآن
برحاشیہ طبری جلد ۱۰ صفحہ ۴)

اب اس طرزِ عمل کے باعث جو صورتِ حال سامنے آتی ہے، وہ کچھ یوں ہے:

(ا) علمائے احناف کا فیصلہ ہے کہ رسول ؐ کا حصّہ تو رسولؐ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ختم ہو گیا۔ رہے ذی القربیٰ تو ان میں اور دوسروں میں کوئی فرق نہیں! جو سلوک سب کے ساتھ ہو گا وہی ان کے ساتھ روا رکھا جائے گا۔

(ب) مالکی فرماتے ہیں کہ: خمس کا تعلّق حاکمِ وقت سے ہے۔ وہ جس طرح مناسب سمجھے گا خرچ کرے گا۔

(ج) امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک خمس کے پانچ حصّے ہوں گے۔ ایک حصّہ رسولؐ کا ہو گا جو مسلمانوں کے عمومی مصالح پر صرف کیا جائے گا۔ دوسرا حصّہ ذی القربیٰ (پیغمبرؐ کے عزیز و اقارب) کا ہے۔ ذی القربیٰ سے مراد وہ لوگ ہیں جو پدری رشتے سے خاندانِ ہاشم سے تعلّق رکھتے ہوں۔ یہ امیر ہوں یا غریب! اور باقی حصص امّت کے بچّوں، نادار افراد اور غریب الوطن لوگوں پر خرچ ہوں گے۔

یہ تفصیل ہم نے ابن الجوزی کی زاد المسیر جلد ۳ اور ابن رشد الحفید کی بدایۃ المجتہد جلد ا سے اخذ کی ہے۔

اب دیکھئے ہوا کیا۔؟ پہلے مرحلے پر تو یہ کیا گیا کہ جو مستقل، باقاعدہ اور مسلسل

آمدنی کے ذرائع تھے جیسے تجارت، زراعت، صنعت، حرفت اور سروسز (SERVICES) ـــــ وغیرہ ان میں سے خمس ساقط کر دی گئی۔ اور دوسری حرکت یہ ہوئی کہ جو حقدار تھے انھیں کسی نہ کسی طرح مستحقین کی فہرست سے خارج کر دیا گیا اور یا برائے نام رہنے دیا گیا۔!

(۱) شافعی اور حنبلی حضرات نے خدا کا حصّہ (جو رسولؐ کا حق تھا) حذف کر دیا۔ اور سہم رسولؐ (جو صرف ذی القربیٰ کو ملنا چاہیے) کو عام کر دیا۔ نیز یتیم، مسکین اور وطن سے دُور اُفتادہ لوگوں میں بھی کوئی تخصیص نہیں رکھی گئی۔! خانوادۂ رسالت سے ہوں۔ یا۔ غیر! "سب دھان پانچ پسیری"۔

(۲) حنفی علماء نے کچھ چھوڑا ہی نہیں۔ قصّہ پاک! رسول کریمؐ اس دنیائے فانی سے تشریف لے گئے۔ لہٰذا ان کی آل اولاد کے حقوق بھی ختم!

(۳) رہے مالکی حضرات تو انھوں نے طے شدہ مسائل کو بھی حاکموں کے اجتہاد اور صواب دید کے حوالے کر دیا۔

اس سلسلے میں دانشمند گرامی سید ابوالاعلیٰ مودودی تحریر فرماتے ہیں۔

"تفسیر آیۂ مبارکہ: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ..."

"یہاں اس مال غنیمت کی تقسیم کا قانون بتایا ہے جس کے

متعلّق تقریر کی ابتدا میں کہا گیا تھا کہ یہ اللہ کا انعام ہے۔ جس کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار اللہ اور اس کے رسولؐ ہی کو حاصل ہے ۔ اب وہ فیصلہ بیان کر دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ لڑائی کے بعد تمام سپاہی ہر طرح کا مال غنیمت لاکر امیر یا امام کے سامنے رکھ دیں اور کوئی چیز چھپا کر نہ رکھیں۔

پھر اس مال میں سے پانچواں حصّہ ان اغراض کے لیے نکال لیا جائے جو آیت میں بیان ہوئی ہیں اور باقی چار حصّے ان سب لوگوں میں تقسیم کر دئے جائیں جنھوں نے جنگ میں حصّہ لیا ہو۔ چنانچہ اس آیت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہمیشہ لڑائی کے بعد اعلان فرمایا کرتے تھے کہ۔ "إنّ ھذہ غنائمکم وانّہ لیس لی فیھا إلاّ نصیبی معکم الخمس. والخمس مردود علیکم فادّوا الخیط والمخیط واکبر من ذلك واصغر ولا تغلوا فانّ الغلول عارٌ ونار"۔

یہ غنائم تمہارے ہی لیے ہیں، میری اپنی ذات کا ان میں

کوئی حصّہ نہیں ہے۔ بجز خمس کے، اور وہ خمس بھی تمہارے ہی اجتماعی مصالح پر صرف کر دیا جاتا ہے۔ لہٰذا ایک ایک سوئی اور ایک ایک تاگا تک لا کر رکھ دو۔ کوئی چھوٹی یا بڑی چیز چھپا کر نہ رکھو کہ ایسا کرنا شرمناک ہے اور اس کا نتیجہ دوزخ ہے۔

اس تقسیم میں اللہ اور رسُول کا حصّہ ایک ہی ہے، اور اس سے مقصود یہ ہے کہ خمس کا ایک جزء اعلائے کلمۃ اللہ اور اقامت دین حق کے کام میں صرف کیا جائے۔ رشتے داروں سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی میں تو حضوؐر ہی کے رشتے دار تھے، کیونکہ جب آپ سارا وقت دین کے کام میں صرف فرماتے تھے اور معاش کے لیے کوئی کام کرنا آپ کے لیے ممکن نہ رہا، تو لامحالہ اس کا انتظام ہونا چاہیے تھا کہ آپ کی اور آپ کے اہل و عیال اور ان دوسرے اقربا کی، جن کی کفالت آپ کے ذمّے تھی ضروریات پوری ہوں، اس لیے خمس میں آپ کا اور آپ کے اقربا کا حصّہ رکھا گیا۔ لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ حضورؐ

کی وفات کے بعد ذوی القربیٰ کا یہ حصّہ کس کو پہنچتا ہے؟ ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد یہ حصّہ منسوخ ہو گیا۔ دوسرے گروہ کی رائے ہے کہ حضورؐ کے بعد یہ حصّہ اس شخص کے اقربا کو پہونچے گا جو حضورؐ کی جگہ خلافت کی خدمت انجام دے۔

تیسرے گروہ کے نزدیک یہ حصّہ خاندان نبوّت کے فقرا میں تقسیم کیا جاتا رہے گا۔ جہاں تک میں تحقیق کر سکا ہوں خلفائے راشدین کے زمانے میں اس تیسری رائے پر عمل ہوتا تھا۔"

(تفہیم القرآن جلد ۲ سورۂ انفال صفحہ ۱۴۵۔۱۴۶)

مودودی صاحب کی تحقیق سر آنکھوں پر! اگرچہ

ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیئے!؟

ملّا متّقی ہندی جیسے بڑے عالم کی سعی و جستجو، اور امّ ہانی[1] جیسی ثقہ روایت کنندہ کی بیان کی ہوئی حدیث۔ ملاحظہ فرمائیے:

---

[1] خیال رہے کہ صاحب اُسد الغابہ کے مطابق امّ ہانی بنت ابی طالبؑ کی چھیالیس ۴۶ روایتوں نے صحاح ستّہ میں جگہ حاصل کی ہے۔

انّ فاطمۃ اتت ابابکر تسألہ سھم ذوی القربیٰ، فقال لھا ابوبکر: سمعت رسولؐ اللہ یقول: سھم ذوی القربیٰ لھم فی حیاتی ولیس لھم بعد موتی۔

حضرت فاطمہؑ نے جناب ابوبکر کے پاس آکر ان سے ذوی القربیٰ کا حق طلب کیا، تو جناب ابوبکر نے جواب دیا۔ میں نے جناب رسالت مآبؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ذوی القربیٰ کا حصہ صرف میری زندگی تک ہے۔ میرے مرنے کے بعد ان کا کوئی حق باقی نہیں رہتا۔

(کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۳۶۷)

ایک اور حدیث۔ اس کے راوی قتادہ ہیں اور محمد بن جریر طبری نے اسے اپنی تفسیر میں دو مرتبہ تحریر کیا ہے۔

عن قتادۃ: انّہ سئل عن سھم ذوی القربیٰ۔ فقال: کان طعمۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ما کان حیاً فلمّا توفی جعل لولّی الامر من بعدہ۔

قتادہ کا بیان ہے کہ جب ذی القربیٰ کے حصے کے سلسلے میں دریافت کیا گیا تو یوں جواب ملا۔ کہ وہ تو رسولؐ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے گزارے کے لیے تھا۔ جب تک وہ اس دنیا میں موجود تھے ان کا تھا۔ جب دنیا سے چلے گئے تو یہ حصہ حاکم وقت کا ہو گیا۔

(تفسیر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۵ اور صفحہ ۶)

اب مزید۔ ایک بیان جسے بہت سے اور بڑے نامی گرامی دانشوروں نے ہم تک پہونچایا ہے۔

امام ابو یوسف۔ اپنی کتاب الخراج میں، نسائی۔ اپنی سنن میں، ابو عبید کتاب الاموال میں، بیہقی۔ اپنی سنن میں، طبری۔ اپنی تفسیر میں اور جصاص احکام القرآن میں ترقیم فرماتے ہیں۔

عبارت امام ابو یوسف کی ہے۔

عن الحسن بن محمد ابن الحنفیۃ قال اختلف الناس بعد وفاۃ رسول اللہ فی ہذین السہمین سہم الرسولؐ وسہم ذوی القربیٰ فقال قوم: سہم الرسول للخلیفۃ من بعدہ وقال آخرون: سہم ذوی القربیٰ لقرابۃ الرسول وقالت طائفۃ: سہم ذوی القربیٰ لقرابۃ الخلیفۃ من بعدہ فاجمعوا علیٰ أن جعلوا ہذین السہمین فی الکراع والسلاح۔

حسن بن محمد حنفیہ بیان کرتے ہیں: کہ رسولؐ کریم کی رحلت کے بعد خمس کے دو حصوں یعنی پیغمبرؐ اور خاندان رسالتؐ کے حصص کے متعلق لوگوں میں اختلاف رونما ہو گیا کچھ لوگ کہتے تھے کہ رسولؐ کے بعد ان کا حصہ خلیفۂ وقت کو ملنا چاہیے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ ذوی القربیٰ کا حصہ نبی کریمؐ کے قرابت داروں ہی کو ملتا رہے۔ جبکہ ایک گروہ کی یہ خواہش تھی کہ یہ حق خلیفہ کے خاندان کا ہو جائے۔

بالآخر اتفاق اس پر ہوا کہ مذکورہ حصوں کو "تیغ و رہوار" (ساز و سامان جنگ) کی خریداری کے لیے مختص کر دیا جائے۔ طبری۔ نسائی اور ابو عبید نے یہ جملہ بھی لکھا ہے "فکانا علی ذلک فی خلافۃ ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما" حضرت ابو بکر و عمر کے دور خلافت میں اسی نہج پر عمل درآمد ہوتا رہا۔!

______ کتاب الخراج صفحہ ۲۴۔۲۵،

سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۱۷۹،

کتاب الاموال صفحہ ۳۳۲

سنن بیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۴۲۔۳۴۳،

تفسیر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۶

احکام القرآن جلد ۳ صفحہ ۶۲

سچی بات یہ کہ جب کسی آدمی یا فرزندان آدم کے کسی گروہ کو بلاوجہ اس کے معاشی حقوق اور اقتصادی سہولتوں سے محروم کر دیا جائے تو ہر معقول انسان اسے "ظلم" کا نام دے گا۔ مگر ستم بالائے ستم یہ ہوگا کہ اشخاص ہوں یا گھرانے ان سے ان کا رزق چھیننے کے لیے ان کی شناخت اور پہچان بھی سلب کر لی جائے!

خمس میں سے ایک حصہ ذوی القربیٰ کا اور تین حصے بنو ہاشم کے یتیموں، مسکینوں اور غریب الوطن افراد کے لیے مخصوص تھے۔ لیکن پیغمبر اکرمؐ کی وفات کے بعد مختلف تدبیریں

اختیار کی گئیں کہ کسی طرح اس خاندان کو اس کے خدا داد حق سے محروم کر دیا جائے۔
چنانچہ اس سلسلے میں پہلے تو مختلف گوشے تلاش کئے گئے۔ طرح طرح کی تاویلوں سے کام لیا گیا۔ مگر اس کارروائی میں نفسیاتی طور پر انتہائی کرب انگیز صورت حال اس وقت سامنے آئی جب یہ آواز اُٹھائی گئی کہ ذوی القربیٰ سے مراد صرف بنی ہاشم نہیں، بلکہ قریش کا پورا قبیلہ ہے۔!

گویا صرف معاشی ضرب ہی نہیں لگائی گئی بلکہ بنو ہاشم کا تاریخی امتیاز، ان کا اجتماعی مرتبہ، معاشرتی مقام، سماجی حیثیت، الغرض! تعارف کی تمام برجستہ نشانیوں اور نمایاں علامات کو خطرے میں ڈالنے کی کوشش کی گئی۔!

رسولؐ مقبول نے تو یہ بتایا تھا کہ جب موضوعِ سخن ذوی القربیٰ (یعنی نبی کریمؐ کے عزیزو اقارب) ہوں تو سمجھنا چاہیے کہ سوائے بنی ہاشم کے اور کوئی مراد نہیں۔

مگر پیغمبرؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی اس "شناس نامے" میں غیر متعلق لوگوں کو بھی شامل کرنے کی سعی کی گئی تاکہ بنو ہاشم کے اُبھرے ہوئے نام و نشان پر پردے پڑ جائیں۔

قبلاً عرض کیا جا چکا ہے کہ ارباب اختیار نے پہلے تو بنو ہاشم کا حق ضبط کر کے ہاشم جیسے سخی ان داتا کی اولاد کو روٹیوں کا محتاج بنا دیا!

برسبیل تذکرہ! اس وقت سنن ابوداؤد اور صحیح مسلم کی بھاری بھرکم جلدیں میرے سامنے رکھی ہوئی ہیں۔ ان کی چند حدیثیں خصوصیت سے دامن دل کھینچ رہی ہیں۔

آیئے! تھوڑی دیر کے لیے آپ بھی میرے ساتھ شریک التفات ہو جائیے۔

یہ حدیث سنن ابو داؤد کی ہے۔

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ نَا عُثْمَانُ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ نَا جُبَيْرُ بْنُ مُطْعِمٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لَمْ يَقْسِمْ لِبَنِيْ عبد شَمْسٍ وَلَا لِبَنِيْ نَوْفَلٍ مِنَ الْخُمُسِ شَيْئًا كَمَا قَسَمَ لِبَنِيْ هَاشِمٍ وَبَنِي الْمُطَّلِبِ قَالَ وَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ يَقْسِمُ الْخُمُسَ نَحْوَ قَسْمِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ غَيْرَ اَنَّهُ لَمْ يَكُنْ يُعْطِيْ قُرْبٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ كَمَا كَانَ يُعْطِيْهِمْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ.

سعید بن مسیّب نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم بنی عبد شمس اور بنی نوفل کو خمس میں سے کچھ بھی نہیں دیتے تھے۔ البتہ بنی ہاشم اور بنی مطلب میں خمس تقسیم فرماتے۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت ابو بکر بھی اسی طرح تقسیم کرتے جیسے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تقسیم فرماتے تھے، سوائے اس کے کہ یہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے قرابت داروں کو نہیں دیا کرتے تھے جیسے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم انہیں عطا فرمایا کرتے تھے!

سنن ابو داؤد جلد ۲۔ کتاب الخراج صفحہ ۶۰ ۴۔ مطبوعہ لاہور

اور یہ رہی صحیح مسلم کی روایت:

نجدۃ الحروری نے جناب عبداللہ بن عباس سے لکھ کر پانچ سوال دریافت کئے تھے۔ پانچواں سوال اور اس کا جواب یہ تھا:۔

وَكَتَبْتَ تَسْأَلُنِي عَنِ الْخُمُسِ، لِمَنْ هُوَ، وَإِنَّا كُنَّا نَقُولُ هُوَ لَنَا، فَأَبَى عَلَيْنَا قَوْمُنَا ذَاكَ۔

تم نے اپنے سوال نامے میں لکھا ہے کہ خمس کس کا حق ہے؟ جواباً ترقیم ہے کہ، ہم یہ کہتے تھے خمس ہمارا حصّہ ہے۔ مگر قوم نے ہماری یہ بات ماننے سے انکار کر دیا[1]

۔(صحیح مسلم جلد ۵، کتاب الجہاد صفحہ ۱۰۲، مطبوعہ لاہور)

صحیح مسلم کے معروف و مقبول شارح نووی اس حدیث کی یوں تشریح فرماتے ہیں: ان کی عبارت کا ترجمہ علامہ وحید الزّمان نے کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

نوویؒ نے کہا مراد خمس ہے۔ خمس کا جو قرآن سے حق ہے ذوی القربیٰ کا اور علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے، شافعی

---

[1] صحیح نسائی کی تیسری جلد کے صفحہ ۱۲۶ پر بھی یہ روایت موجود ہے اور اس کی عبارت زیادہ واضح ہے۔ مسلم کے ہاں صرف "ھولنا" ہے۔ نسائی میں "اھل البیت" کے الفاظ بھی ہیں یعنی خمس ہم اہل بیت رسالت کا حصّہ ہے۔ نسائی مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی۔ لاہور۔ نیز یہ حدیث، تفسیر طبری میں بھی مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو جلد ۱۰ صفحہ ۵۔

کا وہی قول ہے جو ابن عباس کا ہے کہ وہ ذوی القربیٰ کا

حق ہے۔ یعنی بنی ہاشم اور بنی مطلّب کا۔ اور قوم سے مراد

امرائے بنو امیّہ ہیں۔ جنھوں نے یہ خمس بھی حضرت صلی اللہ

علیہ و آلہ وسلّم کے عزیزوں اور سیدوں کو نہ دیا۔ آپ دبا

لیا! (صحیح مسلم شرح نووی۔ از وحید الزّمان جلد ۵۔ صفحہ ۱۰۲

چلئے یوں ہی سہی! حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ بنو امیّہ کے اقتدار میں آنے سے بہت

پہلے سیّدوں کا حق دبا لیا گیا تھا۔

بہر حال! اس کے بعد دوسرا اندوہناک اقدام یہ تھا کہ، ملّت اسلامیہ کے ذہن

میں آلِ محمّدؐ کی فضیلت کا جو ایک خاص تصوّر ہے اسے ختم کر دیا جائے۔

عامّة المسلمین، خدا کے ارشاد نیز پیغمبرؐ کی ہدایات اور "شرف نسبت" کے باعث

خاندان ہاشم کا دل و جان سے احترام کرتے تھے۔ خمس کا عقیدہ رہ رہ کر لوگوں

کو ذوی القربیٰ کی جانب متوجہ کرتا رہتا تھا۔ لہٰذا کوشش یہ کی گئی کہ ذوی القربیٰ کی کوئی

ایسی توجیہ کی جائے جس سے اس کا مفہوم و مقصود اتنا بے اثر ثابت ہو کہ آل اور امّت،

سادات اور غیر سادات میں کوئی فرق باقی نہ رہے! اور یہ بالکل سامنے کی بات ہے

کہ عوامی سطح پر جب دماغوں میں برابری کا خیال پیدا کر دیا جائے تو خصوصی عزّ و شرف کا نظریّہ

دَم توڑ دیتا ہے۔

اس سلسلے میں جو مختلف منصوبے تیار کئے گئے ان کی کچھ جھلکیاں پچھلے صفحات میں پیش کی جاچکی ہیں۔ دیکھئے! ایک دفعہ یہ بُلبلہ اُٹھا کہ تمام قریش ذوی القربیٰ ہیں۔ پھر یہ صدا لگائی گئی کہ آلِ رسولؐ میں ہر کلمہ گو شامل ہے۔ اس کے بعد۔ نوبت بہ اینجا رسید کہ "سہم سادات" میں ہرایرے غیرے کا حصّہ لگا دیا گیا۔

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا!

وضاحت کیلیے ایک اور حدیث۔ اس روایت کی ذمّہ داری طبری اور جصّاص پر عائد ہوتی ہے۔

فلمّا قبض اللہ رسولہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ردّ ابوبکر رضی اللہ عنہ نصیب القرابۃ فی المسلمین فجعل یحمل بہ فی سبیل اللہ۔	جب اللہ نے اپنے رسولؐ کو بلالیا، تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم کے قرابت داروں کے حق کو عام مسلمانوں کا حصّہ بنا کر اسے اللہ کے نام پر خرچ کرنے لگے۔

(تفسیر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۶۔

احکام القرآن، جصّاص جلد ۳ صفحہ ۶۰)

حالانکہ سرکار ختمی مرتبتؐ نے نہایت صراحت کے ساتھ بارہا ارشاد فرمایا ہے کہ ذوی القربیٰ میں اور تو اور خاندان قریش کی بھی کسی دوسری شاخ کا کوئی فرد شامل

نہیں ہو سکتا یہ اعزاز صرف بنو ہاشم اور بنو مطلّب کا مقدّر ہے۔ نیز اس رشتے سے ان کا جو قانونی حق ہے، وہ ناقابل انتقال ہے۔!

یہاں ہم صحیح بخاری، سنن ابو داؤد، مسند احمد بن حنبل، تفسیر طبری، سنن ابن ماجہ، کتاب الاموال۔ ابو عبید اور سنن نسائی کے حوالے سے ایک واقعہ درج کرتے ہیں جس سے ذوی القربیٰ اور ان کے حق کی بات روز روشن سے بھی زیادہ ہویدا ہو جاتی ہے۔

خیال رہے کہ ہم جو عبارت نقل کر رہے ہیں وہ امام نسائی کی سنن سے ماخوذ ہے۔ ویسے تمام مدارک میں ایک آدھ جملے کے فرق سے یہی متن (TEXT) مرقوم ہے۔

عَنْ جُبَيْرِبْنِ مُطْعِمٍ قَالَ لَمَّا قَسَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ سَهْمَ ذَوِى الْقُرْبٰى بَيْنَ بَنِىْ هَاشِمٍ وَبَنِىْ الْمُطَّلِبِ اَتَيْتُهٗ اَنَا وَعُثْمَانُ بن عَفَّانَ فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هٰؤُلَاۤءِ بَنُوْهَاشِمٍ لَّا نُنْكِرُ فَضْلَهُمْ لِمَكَانِكَ الَّذِىْ جَعَلَكَ اللّٰهُ بِهٖ مِنْهُمْ اَرَاَيْتَ بَنِىْ الْمُطَّلِبِ اَعْطَيْتَهُمْ وَمَنَعْتَنَا

سیدنا حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جب ذوی القربیٰ کا حصّہ بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب میں تقسیم فرمایا تو میں اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضور پُر نُور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسولؐ اللہ ہمیں بنو ہاشم کی فضیلت سے تو کوئی انکار نہیں۔ کیونکہ اللہ ربّ العزت

وَاِنَّمَا نَحْنُ وَهُمْ مِنْكَ بِمَنْزِلَةٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِنَّهُمْ لَمْ يُفَارِقُوْنِيْ فِیْ جَاهِلِيَّةٍ وَّلَا اِسْلَامٍ اِنَّمَا بَنُوْهَاشِمٍ وَبَنُوْمُطَّلِبِ شَيْءٌ وَّاحِدٌ وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ۔

نے آپکو ان ہی میں سے مبعوث فرمایا مگر بخشش کے معاملے میں بھی آپ نے ان ہی کو نوازا اور ہمیں نہیں دیا۔ حالانکہ آپ کی نسبت سے ہم اور بنی عبد المطلب رتبے میں برابر ہیں حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی عبد المطلب نہ اسلام میں مجھ سے الگ رہے اور نا ہی، جاہلیت میں کبھی جدا ہوئے اور بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب ایک ہی ہیں اور آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں یعنی اس طرح آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ جیسے یہ انگلیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں۔

نسائی کے جس نسخے سے ہم نے یہ حدیث لی ہے، اس میں ایک توضیحی یادداشت ہے۔ وہ یادداشت بھی ہم آپ کے سامنے رکھے دیتے ہیں۔

نوٹ: حضرت عثمان غنی اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہما نے حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ نے بنی عبد المطلب کو عنایت فرمایا اور ہمیں کچھ نہیں بخشا اس اجمال کی تفصیل اور اشکال کی توضیح یہ ہے کہ عبد مناف کے چار بیٹے تھے ایک ہاشم جن کی اولاد سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ دوسرے مطّلب، تیسرے عبد شمس جن کی اولاد سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہٗ ہیں اور چوتھے نوفل جن کی اولاد میں سے

جناب حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث پاک کے آخر میں ہے کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ میں تو بنو ہاشم اور بنی عبد المطلب کو برابر سمجھتا ہوں! یہ اس لیے کہ یہ دونوں قبائل جاہلیت میں اور اسلام میں کبھی مجھ سے جدا نہیں ہوئے۔

حوالے کیلیے ملاحظہ ہو: سنن نسائی جلد ۳ کتاب قسم الفئ صفحہ ۱۲۶ مطبوعہ لاہور۔ صحیح بخاری جلد ۲ کتاب الجہاد صفحہ ۱۸۰ سنن ابو داؤد، باب مواضع قسم الخمس۔ کتاب الخراج صفحہ ۵۹ ھ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۸۱۔ تفسیر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۵ سنن ابن ماجہ، جلد ۲ باب قسمۃ الخمس صفحہ ۱۹۶ کتاب الاموال ابو عبید صفحہ ۳۳۱۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ذوی القربیٰ" یا خاندان نبوت کے لیے خمس میں جو ایک خصوصی مدّ رکھی گئی ہے تو کہیں اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ پیغمبرؐ کے عزیز و اقارب کو معمول سے ہٹ کر کچھ اقتصادی سہولتیں فراہم کی گئی ہوں، اور اس عنوان سے اسلامی معاشرے میں کسی طرح ایک مراعات یافتہ طبقہ تشکیل دینے کی شعوری یا غیر شعوری خواہش کار فرما ہو؟! —— جی نہیں۔ بالکل نہیں! اس قسم کا ذرا سا جذبہ، رتی بھر احساس اور دور دور نام کو بھی اس کا کوئی اظہار نظر نہیں آتا۔ کیونکہ سادات کے لیے یوں ہی نہیں کوئی مالی گنجائش پیدا کی گئی۔ بلکہ ان سے کچھ لیا گیا اور اس کے مقابلے میں کچھ دیا گیا ہے۔

دنیا بھر کے مسلمان زکوۃ وصدقات سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ مگر آلِ محمدؐ کو مالیّات کے اس شعبے سے استفادے کی اجازت نہیں دی گئی!

سادات پر صدقہ حرام ہے۔!

اجمالاً عرض کیا جا چکا ہے کہ شریعت اسلامیہ نے خانوادۂ رسالتؐ کے لیے "غیر سادات" کے صدقات واجبہ کی تمام قسموں کو ناجائز قرار دیا ہے۔

اس مسئلے میں تمام مفسّر، سارے محدّث اور کل فقہا، ایک آواز ہیں اور سب نے اس موضوع کو بڑی اہمیّت کے ساتھ اپنے علمی ذخیروں میں جگہ دی ہے۔

مفسر طبری لکھتے ہیں:

عن مجاھد، قال: کان آلِ محمّد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم لا تحلّ لھم الصدقۃ فجعل لھم خمس الخمس:	مجاہد کہتے ہیں کہ: آل محمّدؐ پر صدقہ حرام تھا اس واسطے ان کے لیے خمس کا پانچواں حصّہ قرار دیا گیا۔
عن مجاھد، قال: کان النبّی صلّی	اس کے راوی بھی مجاہد ہیں۔ ان کا بیان

اللہ علیہ وسلم و اھل بیتہ لا یاکلون الصّدقۃ فجعل لھم خمس الخمس۔

ہے کہ نبیؐ کریم اور ان کے اہل بیت صدقہ نہیں کھاتے تھے، بنابریں ان کے لیے خمس کا پانچواں حصّہ مختص ہوا۔

عن مجاھد، قال: علم اللہ أنّ فی بنی ھاشم الفقراء فجعل لھم الخمس مکان الصّدقۃ

یہ روایت بھی مجاہد کے حوالے سے ہے وہ بتاتے ہیں کہ خدا جانتا تھا کہ خاندان ہاشم میں بھی نیازمند افراد ہوں گے۔ چنانچہ ان کے لیے اس نے صدقے کی جگہ خمس مقرر فرمادی۔

عن مجاھد، قال: ھؤلاء قرابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم الذّین لا تحلّ لھم الصدقۃ۔

مجاہد ہی راوی ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ جو رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے قرابت دار ہیں۔ ان کے لئے صدقہ ناجائز ہے۔

(تفسیر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۵ ۔مطبوعہ مصر)

محمّد بن اسمعیل بخاری تحریر فرماتے ہیں:

بَاب مَا یُذْکَرُ فِی الصَّدَقَۃِ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاٰلِہٖ۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلّم، اور آل رسولؐ کے لیے صدقہ سے متعلق جو کچھ وارد ہوا ہے۔

۱۳۹۷۔ حَدَّثَنَا اٰدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَۃُ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، روایت کرتے ہیں،

قَالَ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ اَخَذَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ تَمْرَةً مِّنْ تَمْرِ الصَّدَقَةِ فَجَعَلَهَا فِي فِيْهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ كَخٍ كَخٍ

حسن بن علی رضی اللہ عنہ، نے صدقہ کی ایک کھجور منہ میں رکھ لی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، تھو تھو، تاکہ وہ اسے منہ سے نکال دیں پھر فرمایا، تمہیں معلوم نہیں ہم لوگ صدقہ نہیں کھاتے

صحیح بخاری جلد ۱۔ کتاب الزکوٰۃ صفحہ ۵۶۳، مطبوعہ لاہور

مسلم بن حجاج نے اپنی صحیح کی کتاب الزکوٰۃ میں یہ سرخی دی ہے۔

باب تحریم الزکوٰۃ علیٰ رسول اللہ وعلیٰ آلہٖ وھم بنو ہاشم وبنو عبد المطلّب دون غیرھم

رسول اکرم اور آپ کی آل پر" جن میں صرف بنو ہاشم اور بنو مطلب شامل ہیں" زکوٰۃ حرام ہے۔

اور پھر اس عنوان کے تحت مسلم نے مندرجہ بالا حدیث جو بخاری میں بھی مذکور ہے ترقیم کی ہے۔ "امام حسنؑ نے صدقے کی ایک کھجور منہ میں ڈال لی تو پیغمبرؐ نے فرمایا: ہوں! تمھیں معلوم نہیں ہم صدقے کی چیز نہیں کھاتے یا شعبہ کے کہنے کے مطابق "صدقہ ہمارے لیے حلال نہیں ہے"۔

صحیح مسلم جلد ۳۔ کتاب الزکوٰۃ صفحہ ۹۲۔ مطبوعہ لاہور

اور صاحب مشکوٰۃ لکھتے ہیں:

وَعَنْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقٰتِ اِنَّمَا هِيَ اَوْسَاخُ النَّاسِ وَاِنَّمَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَّلَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

عبد المطلب بن ربیعہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ صدقات لوگوں کا میل کچیل ہیں اور یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ کے لیے حلال نہیں ہیں

(مشکوٰۃ جلد ا صفحہ ۳۹۳ ۔ مطبوعہ لاہور)

مزید حوالوں کے لیے ابھی بہت سی کتابیں سامنے رکھی ہوئی ہیں۔ مگر اختصار کے پیشِ نظر ہم چاہتے ہیں کہ ابو داؤد کے ذریعے یہ بتاتے چلیں کہ پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صدقے کے استعمال کے سلسلے میں اپنے خاندان والوں کے لیے کتنے سخت گیر تھے۔!

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا عَنْبَسَةُ نَا يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عَبْدُ اللهِ ابْنُ الْحَارِثِ بْنِ نَوْفَلِ نِ الْهَاشِمِيُّ اَنَّ عَبْدَ الْمُطَّلِبِ اَخْبَرَهٗ اَنَّ اَبَاهُ رَبِيعَةَ

عبد المطلب بن ربیعہ بن حارث سے روایت ہے کہ ان کے والد ماجد حضرت ربیعہ بن حارث اور حضرت عباس بن عبد المطلب نے عبد المطلب بن ربیعہ اور فضل بن عباس

بْنُ الْحَارِثِ وَعَبَّاسَ ابْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ
قَالَا لِعَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيْعَةَ وَلِلْفَضْلِ
بْنِ عَبَّاسٍ إِئْتِيَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُوْلَا لَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ
بَلَغْنَا مِنَ السِّنِّ مَا تَرٰى وَاَحْبَبْنَا اَنْ
نَتَزَوَّجَ وَاَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَبَرُّ النَّاسِ
وَاَوْصَلُهُمْ وَلَيْسَ عِنْدَ اَبَوَيْنَا مَا
يُصْدِقُ عَنَّا فَاسْتَعْمِلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
عَلَى الصَّدَقَاتِ فَلْنُؤَدِّ اِلَيْكَ مَا يُؤَدُّ
الْعُمَّالُ وَلْنُصِبْ مَا كَانَ فِيْهَا مِنْ
مِرْفَقٍ قَالَ فَاَتٰى اِلَيْنَا عَلِيُّ ابْنُ اَبِيْ طَالِبٍ
وَنَحْنُ عَلٰى تِلْكَ الْحَالِ فَقَالَ لَنَا اِنَّ رَسُوْلَ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ لَا
وَاللّٰهِ لَا يَسْتَعْمِلُ اَحَدًا مِنْكُمْ عَلَى
الصَّدَقَةِ فَقَالَ لَهٗ رَبِيْعَةُ هٰذَا مِنْ
اَمْرِكَ قَدْ نِلْتَ صِهْرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ

سے کہا کہ تم دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہٖ وسلّم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کرو
کہ یا رسول اللہ! ہم جوان ہو گئے ہیں جیسا
کہ آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں اور ہم چاہتے
ہیں کہ اب ہماری شادی ہو جائے۔ اللہ
کے رسول! آپ سب سے زیادہ نیک،
ہمدرد اور کنبہ پرور ہیں۔ نیز ہم دونوں کے
والدین ہم پر خرچ کرنے کی سکت نہیں رکھتے
لہٰذا حضورؐ ہمیں زکوٰۃ وصول کرنے پر عامل مقرر
فرما دیں تاکہ دوسرے تحصیلداروں کی طرح
ہم بھی مال زکوٰۃ جمع کر کے آپ کی خدمت
میں پیش کیا کریں اور حق محنت سے فائدہ اٹھائیں
راوی کا بیان ہے کہ ہم ابھی باتیں کر ہی رہے
تھے کہ حضرت علیؓ ہمارے پاس تشریف لے
آئے اور ہم سے فرمایا کہ خدا کی قسم رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم آپ میں سے کسی کو

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فَلَمْ
نَحْسُدْكَ اِلَيْهِ فَاَلْقٰى عَلَىَّ رِدَاءَهٗ
ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلَيْهِ فَقَالَ اَنَا اَبُوْحَسَنٍ
اَلْقَرْمُ وَاللّٰهِ لَا اَرِيْمُ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْكُمَا
اَبْنَاؤُكُمَا بِحَوْرِ مَا بَعَثْتُمَا بِهٖ اِلَى النَّبِيِّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَبْدُالْمُطَّلِبِ
فَانْطَلَقْتُ اَنَا وَالْفَضْلُ حَتّٰى نُوَافِقَ
صَلٰوةَ الظُّهْرِ قَدْ قَامَتْ فَصَلَّيْنَا
مَعَ النَّاسِ ثُمَّ اَسْرَعْتُ اَنَا وَالْفَضْلُ
اِلٰى بَابِ حُجْرَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَوْمَئِذٍ عِنْدَ زَيْنَبَ
بِنْتِ جَحْشٍ فَقُمْنَا عِنْدَ الْبَابِ حَتّٰى
اَتٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ
وَسَلَّمَ فَاَخَذَ بِاُذُنِيْ وَاُذُنِ الْفَضْلِ
ثُمَّ قَالَ اَخْرِجَا مَا تُصَرِّرَانِ ثُمَّ دَخَلَ
لِيْ وَلِلْفَضْلِ فَدَخَلْنَا فَتَوَاكَلْنَا الْكَلَامَ

بھی تحصیلدار نہیں بنائیں گے! حضرت ربیعہ نے ان سے کہا یہ آپ اپنے دل سے کہہ رہے ہیں! حالانکہ جب آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے داماد بنے تھے تو ہم نے بالکل حسد نہیں کیا تھا یہ سُن کر حضرت علیؑ نے اپنی چادر بچھائی اور اس پر لیٹتے ہوئے فرمایا۔ میں بھی ابوالحسن ہوں، خدا کی قسم اس وقت تک یہیں رہوں گا جب تک آپ کے صاحبزادے اس کام سے ناامید ہو کر واپس نہ آجائیں جس کے لیے آپ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی بارگاہ میں بھیج رہے ہیں عبدالمطلب کا بیان ہے کہ میں اور فضل چلے گئے یہاں تک کہ نماز ظہر کا وقت آگیا۔ ہم نے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی پھر میں اور فضل جلدی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے حجرے کے دروازے پر پہنچے، آپ اس روز

قَلِيلًا ثُمَّ كَلِمَتَهُ أَوْ كَلِمَةُ الْفَضْلِ
قَدْ شَكَّ فِي ذٰلِكَ عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ
كَلِمَةً بِالَّذِي أَمَرَنَا بِهِ أَبَوَانَا فَسَكَتَ
رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ
سَاعَةً وَرَفَعَ بَصَرَهُ قِبَلَ سَقْفِ الْبَيْتِ
حَتّٰى رَأَيْنَا زَيْنَبَ تَلْمَعُ مِنْ وَرَاءِ الْحِجَابِ
بِيَدِهَا تُرِيدُ أَنْ لَا تَعْجَلَا وَأَنَّ رَسُولَ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فِي أَمْرِنَا
ثُمَّ خَفَضَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَآلِهِ وَسَلَّمَ رَاسَهُ فَقَالَ لَنَا إِنَّ هٰذِهِ
الصَّدَقَةَ إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ وَ
إِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ
اُدْعُوا إِلِي نَوْفَلَ بْنَ الْحَارِثِ فَدُعِيَ لَهُ
نَوْفَلُ بْنُ الْحَارِثِ فَقَالَ يَا نَوْفَلُ
أَنْكِحْ عَبْدَ الْمُطَّلِبِ فَأَنْكَحَنِي نَوْفَلُ
ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صلى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ

حضرت زینب بنت جحش کے پاس تھے انتظار
میں ہم دروازے کے پاس کھڑے رہے یہاں
تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف
لے آئے تو میرا اور فضل کا کان پکڑ کر فرمایا جو
تمہارے دلوں میں ہے اب اسے کہہ ڈالو۔
پھر آپ اندر تشریف لے گئے تو مجھے اور فضل
کو اجازت مرحمت فرمائی اور ہم اندر داخل
ہوئے اور کچھ دیر ایک دوسرے سے گزارش
پیش کرنے کے لیے کہتے رہے"۔ بعد ازاں
میں عرض گزار ہوا یا فضل اس میں عبداللہ
راوی کو شک ہے۔" چنانچہ جو ہمارے والدین
نے فرمایا تھا ہم نے وہ بات عرض کر دی اس
پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ دیر
خاموش رہے اور چھت کی طرف دیکھا
کیے، کافی دیر ہو گئی تو گمان گزرا کہ آپ ہمیں
کوئی خاطر خواہ جواب مرحمت نہیں فرمائیں گے

وَسَلَّمَ اُدْعُوا اِلٰی مَحْمِیَّۃَ بْنِ جَزْءٍ وَ هُوَ رَجُلٌ مِنْ بَنِیْ زُبَیْدٍ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اسْتَعْمَلَہٗ عَلَی الْاَخْمَاسِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ لِمَحْمِیَّۃَ اَنْکِحِ الْفَضْلَ فَاَنْکَحَہٗ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ قُمْ فَاَصْدِقْ عَنْہُمَا مِنَ الْخُمُسِ کَذَا وَکَذَا لَمْ یُسَمِّہٖ لِیْ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ الْحَارِثِ۔

لیکن حضرت زینب نے پردے کے پیچھے سے ہمیں ہاتھ کا اشارہ کیا کہ عجلت سے کام نہ لینا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تمہارے معاملے پر غور فرمارہے ہیں پھر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے نیچے توجہ فرمائی اور ارشاد ہوا کہ مال زکوٰۃ لوگوں کا میل کچیل ہے جو محمدؐ اور آل محمدؐ کے لیے حلال نہیں! اس کے بعد فرمایا کہ نوفل بن حارث کو میرے پاس بُلا کر لاؤ چنانچہ حضرت نوفل بن حارث حاضر ہوئے پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا۔ نوفل! عبد المطلب کا نکاح کردو۔ چنانچہ حضرت نوفل نے میرا نکاح کر دیا۔ پھر نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا۔ محمیہ بن جزء کو بلاؤ (وہ بنی زبید سے تعلق رکھتے تھے اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے انہیں خمس کا عامل بنایا تھا)۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت محمیہ سے فرمایا کہ فضل کا نکاح کردو۔ تو انھوں نے ان کا نکاح کر دیا۔ پھر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے (حضرت محمیہ سے) فرمایا۔ اُٹھو! ــــ اور خمس سے انہیں اتنا اتنا مال دے دو۔ راوی کا بیان ہے کہ عبد اللہ بن حارث نے مجھ سے مقدار بیان نہیں کی۔

سنن ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب الخراج صفحہ ۶۲ تا ۶۴ مطبوعہ لاہور

دستاویزی شہادتیں!

اوراب تاریخ دانوں کی زبان میں چند دستاویزی (DOCUMENTARY) شہادتیں:

(۱) حضور نبی کریمؐ نے قبیلۂ ہمدان کے سربراہ عُمیر کو ایک تحریر ارسال کی تھی۔ اس میں سرکار رحمۃٌ للعالمین نے ارشاد فرمایا تھا:۔

انّ الصدقۃ لا تحلّ لمحمّد ولا لاھل بیتہ۔ انما ھی زکوٰۃ تزّکونھا عن اموالکم الفقراء المسلمین۔

صدقہ نہ تو محمدؐ کے لیے جائز ہے اور نہ ان کے اہل بیتؑ کے
واسطے حلال ہے۔ کیونکہ یہ تو تمہارے مال کی زکوٰۃ ہے جس
سے تم مسلمانوں کے محتاج طبقے کی اعانت کرتے ہو۔

حوالے کے لیے ملاحظہ ہو:۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔ الوثائق السیاسیّہ۔ ڈاکٹر حمید اللہ۔
مکتوب شمارہ ۱۱۱ صفحہ ۱۱۴، تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۸۹،
اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۵، سنن ابو داؤد جلد ۱ صفحہ ۶۱۱

(۲) ریاستہائے متحدہ یمن کے سربراہوں (حارث بن عبد کلال۔ عبد نعیم بن عبد کلال

وغیرہ) نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت اقدس میں ایک محضر پیش کرنے کی عزّت حاصل کی تھی۔ حضور نے اس کے جواب میں جو فرمان روانہ فرمایا تھا اس کا ایک جملہ یہ ہے:

وإنّ الصّدقۃ لا تحلّ لمحمّدٍ ولا لاھل بیتہ انّما ھی زکوٰۃ یزکّیٰ بھا علیٰ فقراء المسلمین وابن السّبیل.

اور صدقہ نہ محمّدؐ کے لیے روا ہے اور نہ ان کے گھرانے کے واسطے مباح ہے۔ یہ تو زکوٰۃ ہے، جس سے مسلمانوں کے نادار افراد اور مسافروں کی مدد ہونا چاہیے:۔

—— الوثائق السیاسیّۃ۔ ڈاکٹر حمید اللہ مکتوب شمارہ ۱۰۹ صفحہ ۱۱۲، سیرت ابن ہشام جلد ۴ صفحہ ۱۷۵، تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۸۷، اور اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۳

اور آخر میں اس موضوع سے متعلق مکتب اہل بیتؑ کی چند حدیثیں:

(۱) عن ابی عبد اللہ علیہ السّلام قال: إن اناساً من بنی ھاشم اتوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم فسألوہ أن یستعملھم علی صدقات المواشی وقالوا

يكون لنا هذا السّهم الذى جعل الله عزّوجل

للعاملين عليها فنحن اولى به ، فقال رسول الله صلى

الله عليه وآله وسلّم ، يا بنى عبد المطلب (هاشم)

إنّ الصّدقة لا تحل لى ولا لكم:

صادق آلِ محمدؐ فرماتے ہیں کہ: بنو ہاشم کے کچھ لوگ جناب رسالت مآبؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئے کہ حضور! صدقے کے جانوروں کی دیکھ بھال کا کام ہمارے سپرد کر دیا جائے۔ تاکہ نگرانی کرنے والوں کا جو حصّہ خداوندعالم نے مقرّر فرمایا ہے وہ ہمیں مل جائے۔ پھر ہمیں اس کا حق بھی زیادہ پہونچتا ہے۔

سرکار نبی کریمؐ نے یہ معروضہ سننے کے بعد ارشاد فرمایا۔

"اے عبدالمطّلب (ہاشم) کے فرزندو! صدقہ نہ میرے لیے جائز ہے اور نہ تمہارے واسطے حلال ہے"۔

——— وسائل الشیعہ جلد ۶۔ کتاب الزکاۃ حدیث شمارہ ۱ باب ۲۹ صفحہ ۱۸۶ فروع کافی جلد ۱ صفحہ ۱۷۸۔ تہذیب جلد ۱ صفحہ ۳۶۵

(۲) عن ابی عبد اللہ علیہ السّلام قال: لاتحل الصدقۃ لولد العبّاس ولا لنظرائھم من بنی ھاشم

امام جعفر صادق علیہ السّلام ارشاد فرماتے ہیں کہ: صدقہ نہ تو عبّاس کی اولاد کے لیے روا ہے اور نہ ہاشمیوں کے واسطے مباح ہے۔

_____ وسائل الشیعہ جلد ۶ کتاب الزکاۃ

حدیث شمارہ ۳ باب ۲۹ صفحہ ۱۸۶

تہذیب جلد ا صفحہ ۳۶۵

استبصار جلد ۲ صفحہ ۳۶

(۳) وباسنادہ عن سعد، عن بعض اصحابنا، عن محمّد بن جمہور، عن ابراھیم الأوسی، عن الرّضا علیہ السّلام (فی حدیث) إنّ رجلاً قال لأبیہ: الیس الصدقۃ محرمۃ علیکم؟ فقال: بلی۔

امام رضا علیہ السّلام سے ایک حدیث میں یوں وارد ہوا ہے کہ ایک شخص نے ان کے والد بزرگار (امام موسیٰ کاظم) سے پوچھا۔ "کیا صدقہ آپ لوگوں کے لیے حرام نہیں ہے؟

امام نے جواباً فرمایا: ہاں! حرام ہے۔

وسائل الشیعہ جلد ۶ کتاب الزکاۃ

حدیث شمارہ ۴ باب ۲۹ صفحہ ۱۸۶ تہذیب جلد ا صفحہ ۳۶۳

(۴) عن جعفر بن محمد علیہ السلام قال: إنّ الله لا إله إلا هو لمّا حرّم علينا الصدقة أبدل لنا الخمس فالصدقة علينا حرام، والخمس لنا فريضة والكرمة لنا حلال۔

سرکار جعفر ابن محمد صلوات اللہ وسلامہ علیہ سے روایت ہے، آپ نے فرمایا: اللہ ہی معبود حقیقی ہے، اس کے سوا اور کوئی لایق پرستش نہیں۔ اس نے جب ہم پر صدقہ حرام فرمایا تو اس کے بدلے میں ہمارے لیے خمس واجب کردی اور "اعزازیہ" بھی جائز قرار دیا۔

وسائل الشیعہ جلد ۶۔ کتاب الزکاۃ

حدیث شمارہ ۷، باب ۲۹ صفحہ ۱۸۷ من لا یحضرہ الفقیہ جلد ا صفحہ ۱۳

۱۴

احکامِ خمس

سات چیزوں پر خمس واجب ہے

(۱) جنگ میں دستیاب ہونے والا مال و متاع

(۲) معدنی ذخائر

(۳) دفینے

(۴) آبی دولت

(۵) حرام آمیز آمدنی

(۶) مسلمان سے ذمّی کا خرید کردہ قطعۂ اراضی

(۷) کاروباری منافع

جنگ میں دستیاب ہونے والا مال ومتاع

امام عالی مقامؑ کی اجازت سے جہاد میں حصّہ لیا ہو یا امامؑ کی غیبت کے سبب اذن وغانہ لے سکا۔ جنگ دفاعی نوعیّت کی ہو یا اعلائے کلمۂ حق کی خاطر رَن پڑا ہو۔ اور نتیجۃً حاصل ہونے والا اثاثہ کم ہو چاہے زیادہ!

اس بارے میں حکم یہ ہے:۔

اوّل ۔ سامان کی حفاظت اور حمل ونقل کے مصارف وضع ہوں گے

دوم۔ امام نے اگر کسی خاص غرض وغایت کے لیے کوئی رقم یا اشیاء کی کوئی مقدار مختص فرمائی ہے تو وہ منہا کی جائے گی۔

سوم۔ جن اشیاء پر امام کا حق ہے۔ جیسے اچھا رہوار، عمدہ تلوار اور دوسرے بیش قیمت نوادر وغیرہ وہ الگ کرنا پڑیں گے۔

چہارم۔ اس کے بعد جو باقی ماندہ اثاثہ ہوگا اس پر خمس واجب ہوگی۔

پنجم۔ اس نوع کے مال غنیمت میں نہ تو نصاب (بیس دینار) پورا ہونے کی شرط ہے۔ اور نہ سال بھر کے خرچے کا اعتبار ہے۔

معدنی ذخائر

عام لوگ جس شئی یا ذخیرے کو معدنیات کا نام دیں۔ بس! وہی قدرتی ثروت ہے۔ جس سے استفادے کی صورت میں خمس واجب ہوتی ہے۔

معدنّیات کی فہرست خاصی طویل ہے۔ لیکن جن چیزوں سے شب و روز واسطہ رہتا ہے ان کا ایک مختصر سا شمار نامہ حسبِ ذیل ہے۔

دھاتیں۔ سونا۔ چاندی۔ پلاٹینم۔ تانبا۔ لوہا۔ سیسہ وغیرہ

بیش بہا پتّھر۔ ہیرا۔ یاقوت۔ زمرّد۔ نیلم۔ پکھراج۔ زرقون۔ عقیق۔ فیروزہ۔ اوپل وغیرہ

کم قیمت پتّھر۔ بلور۔ یشب۔ سنگ موسیٰ۔ سنگ سلیمان۔ سنگ مرمر۔ کوئلہ۔ نمک شورہ۔ پھٹکری۔ چونے کا پتھر۔ ہڑتال۔ گندھک۔ ابرک۔ سرمے کا پتھر ملتانی مٹّی وغیرہ۔

بہنے والی اشیاء۔ پٹرولیم۔ کولتار۔ وغیرہ

الغرض! ہر وہ چیز جو زمین سے نکالی جائے۔ پہاڑوں سے دستیاب ہو۔ معدنّیات کے زمرے میں آئے اور ارزش بھی رکھتی ہو، اس پر قانون خمس کا اطلاق ہوگا اگر معدنی محاصل کی خمس نصاب کی تکمیل کے ساتھ مشروط ہے۔

قاعدے

___ مال کو کان سے نکالنے اور اگر اس جنس کو صاف کر کے فروخت کیا جاتا ہے تو صفائی اور بار برداری وغیرہ کے مصارف پہلے وضع کر لیے جائیں گے۔

___ پھر یہ دیکھا جائے گا کہ موجود معدنی ذخیرہ کتنی مالیت کا ہے۔ اگر اس کی قیمت بیالیس ۴۲ تولے چاندی (سکّے کی شکل میں) یا چھ ۶ تولے سونے کے مساوی ہے تب اس پر خمس واجب ہو گی۔ ورنہ واجب نہیں ہو گی۔

دفینے

دفینے سے مراد وہ جمع پونجی ہے جسے لوگوں نے حفاظت کی غرض سے زمین میں گاڑ کر، غاروں میں چھپا کر، دیواروں میں لگا کر یا درختوں میں دبا کر رکھ دیا ہو، نیز کھدائی، تلاش یا کاٹ چھانٹ کے نتیجے میں وہ کسی کے ہاتھ لگ جائے اور عام طور پر لوگ اُسے خزانہ یا دفینہ ہی قرار دیں۔ تو اس سے متعلق!

ضابطے

ا۔ اگر کسی شخص کو ایسی جگہ سے خزانہ دستیاب ہو جائے جو کسی کی ملکیت نہ ہو تو وہی اس کا مالک ہوگا اور حاصل شدہ دفینے کو نکالنے کے مصارف منہا کرنے کے بعد اس کو خمس ادا کرنا پڑے گی۔

(ب) لیکن خزانہ اگر ایسی زمین سے نکلے جو کسی اور سے خریدی گئی ہو۔ مگر خریدار کو یقین ہو جائے کہ جس نے زمین بیچی تھی یہ جمع جتھا اس کا نہیں ہے۔ تو اس صورت میں بھی دفینہ زمین خریدنے والے ہی کا ہوگا اور اسے خمس دینا پڑے گی۔

(ج) اور بالفرض! یہ شک پیدا ہو جائے کہ ہو سکتا ہے۔ زمین سے ہمدست ہونے والا مال اس کے پُرانے مالکوں کا ہو تو ایسی شکل میں یکے بعد دیگرے تا حدِ امکان تمام قدیم مالکانِ زمین سے رابطہ پیدا کرنا چاہیے اور جب اطمینان ہو جائے کہ دفینہ ان میں سے کسی کا بھی نہیں ہے۔ تو پھر زمین کا موجود قانونی قابض ہی خزانے کا مالک ہے اور اس پر خمس کی ادائیگی فرض ہو گی۔

نیز مال اگر کسی خریدے ہوئے جانور کے پیٹ سے برآمد ہو تو اس کے لیے بھی جانور کے سابق مالکوں تک پہونچنا ضروری ہے۔ اور اس یقین کے بعد

کہ جو مال ملا ہے وہ فروخت کنندگان میں سے کسی کی ملکیت نہیں۔ خریدار ہی مالک قرار پائے گا اور اس پر خمس واجب ہوگی۔

(د) دفینہ پانے والے اگر دو آدمی ہوں اور جو اشیاء دستیاب ہوئی ہیں ان کی قیمت نصاب کے مطابق ہے تو دونوں افراد اپنے اپنے حصے کی خمس ادا کرنے کے پابند ہوں گے۔

(ھ) دفینے یا خزانے کا نصاب بھی بیالیس تولے چاندی یا چھ تولے سونا ہے مطلب یہ کہ حاصل شدہ اثاثے کی قیمت اگر ۴۲ تولے چاندی یا ۶ تولے سونے کے برابر ہے تو لازماً خمس دینا پڑے گی۔

آبی دولت

بحری معدنیات اور دریائی نباتات پر خمس واجب ہے۔ یعنی! غوطہ خور اگر کسی بڑی ندی۔ کھاڑی یا سمندر سے، موتی، موگا، عنبر اور یُسر جیسی آبی دولت نکالے تو پانی سے ہاتھ آنے والی اس مایہ پر خمس دینا پڑے گی۔

ہدایات

۱۔ مچھلی اور مچھلی جیسے پانی کے جانور آبی دولت یا غوطہ لگا کر سمندر کی تہ سے نکالی جانے والی قیمتی اشیا، کی تعریف میں نہیں آتے۔

۲۔ غوطہ ورڈبکی لگا کر جواہر وغیرہ برآمد کرے یا جدید آلات کے ذریعے یہ کام انجام دیا جائے، ہر حال میں ضروری خرچہ وضع کرنے کے بعد خمس ادا کرنا ضروری ہے۔

۳۔ اگر سمندر میں پیدا ہونے والی بعض معدنی یا نباتی اشیا، سطح آب پر تیرنے لگیں یا کنارے سے لگ جائیں اور کوئی انھیں حاصل کرلے تو غوطہ خوری کے قانون کے تحت ان پر خمس واجب نہیں ہے۔ بلکہ اس صورت میں کاروبار کے منافع کا قاعدہ مؤثر ہوگا۔ البتہ عنبر اس سے مستثنیٰ ہے۔ عنبر اگر سطح آب سے بھی دستیاب ہو تو اس پر خمس واجب ہے۔

حرام آمیز آمدنی

اگر کسی کی جائز آمدنی میں کوئی ناجائز آمدنی شامل ہو جائے اور وہ بھی اس طرح کہ نہ تو اس کی مقدار کا پتہ چلایا جا سکے اور نہ شامل ہونے والی آمدنی کے مالک کا علم ممکن ہو تو پورے مال کی خمس نکال دی جائے، بقیہ مال حلال ہو جائے گا۔

متعلقہ قوانین

اوّل ۔ کسی کی صحیح کمائی میں اگر غلط آمدنی اس طرح مل جائے کہ اس کی مقدار کا اسے علم نہ ہو، مگر مال کے مالک کو وہ جانتا ہو تو دونوں کو گفت و شنید کے ذریعے کسی مقدار پر سمجھوتہ کر لینا چاہیے ۔ لیکن مال کا مالک اگر راضی نہ ہو تو صاحب معاملہ کو جتنی رقم یا مال کا یقین ہو وہ ادا کر دے ۔

دوّم ۔ اگر کوئی یہ تو جانتا ہو کہ ناجائز مال کی کتنی مقدار اس کی جائز آمدنی میں شامل ہو گئی ہے ۔ مگر اس کے مالک کی شناخت ممکن نہ ہو تو اس صورت میں اسے چاہیے کہ رقم یا مال کی پوری مقدار اصل مالک کی جانب سے صدقے کے طور پر دے دے ۔ مگر احتیاط واجب یہ ہے کہ پہلے حاکم شرع سے رجوع کرے اور اجازت حاصل کرے ۔

سوم : فرض کیجیے کوئی شخص حرام آمیز آمدنی میں سے خمس نکال چکا ہے یا جسکی جائز کمائی میں دوسرے کی رقم یا مال کی کچھ مقدار ناجائز طریقے سے شامل ہو گئی تھی ۔ لیکن اس کے مالک کا کوئی اتہ پتہ نہیں تھا اس لیے مشمولہ آمدنی کو اس کی طرف سے صدقے کے طور پر اس نے بانٹ دیا ۔

مگر بعد میں وہ آدمی مل گیا اور معلوم ہوا کہ نادرست آمدنی والے حصّے کا مالک یہی

ہے۔ اس صورت میں بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ احتیاط واجب کی بنا پر جو ذمّے دار ہوا اسے چاہیے کہ۔ اس کے باوجود حساب سے نکلنے والی رقم یا مال کی معلوم مقدار اس کے مالک کو واپس کر دے۔

چہارم۔ اگر کسی آدمی نے حرام آمیز آمدنی میں سے خمس نکال دی اور بعد میں پتہ چلا کہ ناجائز رقم یا مال کی مقدار زیادہ، اور خمس اندازے سے کم تھی تو احتیاط واجب یہ ہے کہ جو مقدار، ادا کردہ خمس سے زیادہ ہو اسے اصل مالک کی جانب سے تصدق کر دے۔

مسلمان سے ذمّی کا خرید کردہ قطعۂ اراضی

وہ غیر مسلم باشندے جنھیں اسلامی ریاست کا ہمہ جہتی تحفظ حاصل ہو ذمّی کہلاتے ہیں۔ ان میں سے اگر کوئی فرد کسی مسلمان شخص سے زرعی، تجارتی یا سکنی قطعۂ اراضی خریدے یا کوئی مسلمان اسے یوں ہی دے دے تو اس ذمّی کو خرید کردہ یا حاصل شدہ زمین سے یا زمین کی قیمت سے لازمی طور پر خُمس ادا کرنا پڑے گی۔ ہاں! خمس کا تعلّق صرف زمین سے ہے عمارت سے نہیں ہے۔

شریعت کا فرمان

۱۔ ذمّی، اگر مسلمان سے خریدی ہوئی زمین کو دوبارہ کسی مسلمان کے ہاتھ فروخت کرے گا تب بھی اسے اس زمین کی خمس ادا کرنا پڑے گی۔

۲۔ زمین خریدتے وقت اگر کوئی ذمّی یہ شرط لگائے کہ وہ خمس نہیں ادا کرے گا یا یہ کہے کہ فروخت کرنے والے کو خمس ادا کرنا چاہیے۔ تو یہ شرط، یا یہ بات قابل قبول نہیں ہوگی اور صاحب معاملہ ذمّی ہی کو خمس دینا پڑے گی۔ البتّہ اگر وہ یہ شرط لگادے کہ فروخت کرنے والا مسلمان اس کی جانب سے خمس کی جو مقدار ہو وہ صاحبان خمس تک پہونچادے۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور اس صورت میں فروخت کنندہ کی ذمہ داری ہوگی کہ خریدار کی طرف سے خمس ادا کردے۔

۳۔ اگر ذمّی کمسن ہو اور اس کی جانب سے اس کا ولی یا سرپرست اس کے لیے زمین کی خریداری کرے تو احتیاط واجب یہ ہے کہ معاملہ کرتے وقت یہ طے کرلیا جائے کہ وہ خمس ادا کرے گا۔

کاروباری منافع

کسی شخص کو تجارت، صنعت، حرفت، زراعت، محنت، مزدوری، خدمات (SERVICES) ــــ اور مختلف پیشوں سے جو آمدنی ہوتی ہے اور اس آمدنی میں سے اس کے اور اس کے متعلّقین کے سال بھر کے خرچے کے بعد اگر کچھ بچ جاتا ہے تو جو بچ جائے اس پر خمس واجب ہے۔

رہنما مسائل

ایکؔ ــــــ تاجر، صنعت کار، کاریگر، ملازمت پیشہ اور اسی قبیل کے دوسرے لوگوں کو جب کام کرتے ہوئے ایک سال ہو جائے تو انھیں چاہیے کہ وہ حساب لگا کر دیکھیں اور ان کے سال بھر کے مصارف سے جتنی رقم زیادہ ہو اس پر خمس ادا کر دیں۔ لیکن وہ آدمی جس کا کوئی کاروبار نہ ہو اور اتفاقاً اسے کہیں سے کچھ حاصل ہو جائے۔ نیز سال بھر خرچہ کرنے کے بعد بھی اگر اس میں سے کچھ بچ رہے تو اسے بھی اس بچت پر خمس ادا کرنا پڑے گی۔

دوؔ ــــ ہر شخص کو یہ اختیار حاصل ہے کہ سال کے دوران جب بھی اسے فائدہ ہو

تو چاہے اسی وقت اس کی خمس ادا کر دے یا سال کے خاتمے پر یہ فرض بجالائے نیز اگر کوئی آدمی خمس نکالنے کے لیے شمسی سال مقرر کر لے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

تین[۳] ——— کمائی کے سلسلے میں جو مصارف ہوتے ہیں۔ مثلاً کرایہ، ٹرانسپورٹ۔ کمیشن وغیرہ وغیرہ انھیں سالانہ خرچے کا جزو سمجھنا چاہیے۔ اور یہ مقدار خمس سے مستثنیٰ قرار پائے گی۔

چار[۴] ——— کاروبار کے منافع سے سال بھر کے کھانے پینے، پہننے، اوڑھنے، رہنے سہنے، مکان خریدنے، گھر کا ساز و سامان لانے، بیٹے کی شادی، بیٹی کے جہیز، زیارات عتبات عالیہ، یا اسی قسم کے اور دوسرے صحیح خرچے کئے جا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ خرچ کرنے والے کی سماجی حیثیت کے مطابق ہوں اور کوئی فضول خرچی نہ کی گئی ہو۔ اس صورت میں خرچ کی اس مقدار پر خمس معاف ہو گی۔

پانچ[۵] ——— جو لوگ ان ملکوں میں رہتے ہیں جہاں لڑکیوں کو جہیز دینے کا رواج ہے اور عام طور پر لڑکی والے اس مقصد کے لیے تھوڑا تھوڑا سامان اکٹھا کرتے رہتے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اسی سال کے منافع سے لڑکی کے جہیز پر کچھ صرف کرتا ہے تو اس خرچے پر قانون خمس کا اطلاق نہیں ہو گا۔ مگر خرچہ حیثیت سے بڑھ کر نہیں ہونا چاہیے۔

چھؔ ـــــ اگر کسی نے اپنی کمائی سے گھر کے لیے سال بھر کا ایسا سامان خرید کر رکھ لیا ہے جو استعمال سے کم ہوتا رہتا ہے۔ اس نوع کی اشیاء میں سے اگر سال کے خاتمے پر کچھ بچ رہے تو باقی ماندہ چیزوں کی خمس دینا پڑے گی۔ ہاں! اگر کوئی قیمت کی شکل میں خمس نکالنا چاہیے تو یہ دیکھنا ضروری ہے کہ قیمت خرید میں کوئی اضافہ تو نہیں ہوا۔ اگر بازار میں اس سامان کا نرخ بڑھ گیا ہے تو جو بھاؤ ہو اسی حساب سے خمس کی ادائیگی لازمی ہے۔

ساتؔ ـــــ اگر کسی شخص کو کسب و کار کے متعدد وسائل حاصل ہیں مثلاً وہ درآمد و برآمد کا کام کرتا ہے۔ نیز اس کا کوئی کارخانہ بھی چل رہا ہے۔ جائیداد کا کرایہ بھی آتا ہے اور زراعت و باغبانی بھی اس کی کمائی کا ایک ذریعہ ہے تو ان حالات میں اس کا یہ فرض ہے کہ سال ختم ہونے پر ضروری مصارف منہا کر کے مجموعی آمدنی میں سے خمس نکالے لیکن اگر کاروبار کے ایک حصے سے فائدہ اور دوسرے میں نقصان ہوا ہے تو احتیاط واجب یہ ہے کہ ایک شعبے کے نقصان کی تلافی دوسرے شعبے کے فائدے سے نہ کرے بلکہ حاصل خیز شعبوں کے پورے فائدے سے خمس ادا کی جائے۔

آٹھؔ ـــــ کسی آدمی کے مخارج اگر دوسرے کے سر ہیں، تو جو شخص خود اپنے اوپر کچھ خرچ نہیں کرتا ہے اور کہیں سے کوئی مال اس کے ہاتھ آجائے تو اسے چاہیے کہ اس مال کی خمس نکال دے۔

نو ۹ ——— حج اور زیارت پر صرف ہونے والا سرمایہ سال کے خرچے میں شمار ہوگا اور اس پر خمس نہیں ہے۔

دس ۱۰ ——— نذر و کفّارات کے سلسلے میں خرچ ہونے والی رقم کا شمار بھی سال کے مصارف میں ہوگا۔ علاوہ ازایں انعام واکرام، تحفے تحائف نیز چندے اور عطیّات وغیرہ، اگر دینے والے کی حیثیّت سے بڑھ کر نہ ہوں تو یہ بھی سالانہ صرفے میں محسوب ہوں گے اور خمس سے مستثنیٰ قرار پائیں گے۔

گیارہ ۱۱ ——— اگر کوئی آدمی دھن دولت بڑھانے کے لیے یا قرض لے کر بے ضرورت کوئی جائیداد وغیرہ خرید لے تو وہ اپنے کاروبار کے منافع سے اس قرضے کو ادا نہیں کرسکتا۔ مقصد یہ کہ اس قسم کے قرضوں کی بے باقی سالانہ مصارف کے زمرے میں نہیں آتی۔

البتّہ قرض کے طور پر حاصل کردہ سرمایہ یا ادھار پونجی سے خریدی ہوئی جائیداد یا چیزیں اگر ضائع ہو جائیں اور قرضدار میں ادھار واپس کرنے کی سکت نہ رہے تو پھر وہ موجود کاروبار کے فائدے سے اپنا قرض اتار سکتا ہے۔

بارہ ۱۲ ——— جب تک کمائی اور آمدنی کی خمس نہ دے دی جائے، اس وقت تک اس میں تصرّف نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ اگر خمس دینے کا ارادہ بھی ہو تب بھی خمس کی ادائگی سے پہلے اس کا استعمال جائز نہیں۔

مصرف

خمس کے چھ حصّوں کو برابر سے آدھا آدھا کر دیا جائے۔ اب ان میں سے ایک حصّہ سہم سادات کہلائے گا اور دوسرا سہم امام کے نام سے موسوم ہوگا۔

سہم سادات، آلِ رسول کا قانونی حصّہ ہے۔ نیز مستحق، نادار اور معذور سیّد زادوں کی اقتصادی خدمت کے لیے مخصوص ہے۔

سہم امام، سرکارِ ولیِ عصرؑ حضرت قائم منتظر عجّل اللہ ظہورہ، کا آئینی حق ہے اور امام زمانہؑ کی غیبت کے دوران نائب امام یا مرجع تقلید ہی کو اس میں تصرّف کا اختیار حاصل ہے۔

اور اگر سہم امام پہونچانے کے لیے مرجع تقلید یا مجتہد جامع الشرائط کے حضور رسائی مشکل ہو تو خمس کی رقم ان کے نمائندوں کے حوالے کر دی جائے۔

علاوہ ازایں مجاز اداروں کو بھی سہم امامؑ دیا جا سکتا ہے۔ مجاز اداروں سے مراد وہ دینی مراکز ہیں جن کے پاس سہم امامؑ صرف کرنے کے لیے مرجع تقلید کا اجازت نامہ موجود ہو۔

کتاب نامه

ان کتابوں کی فہرست جن سے استفادہ کیا گیا

(الف)

۱۔ القرآن الحکیم

۲۔ الآثار — امام ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت

۳۔ الاحتجاج — طبرسی، ابومنصور احمد بن علی بن ابیطالب

۴۔ احکام القرآن — ابوبکر الجصّاص، احمد بن علی الحنفی

۵۔ اُردو دائرۂ معارف اسلامیہ — دانش گاہ پنجاب۔ لاہور

۶۔ الارشاد — شیخ مفید، ابوعبداللہ محمد بن نعمان بغدادی

۷۔ اسباب نزول القرآن — واحدی، ابوالحسن علی نیشاپوری

۸۔ الاستبصار — طوسی، محمد بن الحسن، ابوجعفر

۹۔ الاستیعاب — حافظ ابوعمر یوسف بن عبدالبر

۱۰۔ اسد الغابہ — ابن الاثیر، عزالدین ابوالحسن علی بن محمد

۱۱۔ اسعاف الرّاغبین	صبّان، شیخ محمد
۱۲۔ اسلامی انسائیکلو پیڈیا	سیّد قاسم محمود
۱۳۔ الاصابہ فی تمیز الصّحابہ	ابن حجر عسقلانی، شہاب الدّین احمد بن علی
۱۴۔ اصول کافی	محمد بن یعقوب کلینی
۱۵۔ اعلام السائلین	ابن طولون، شمس الدّین محمد بن علی
۱۶۔ اعلام الوریٰ	طبرسی، ابو علی، فضل بن الحسن بن الفضل
۱۷۔ اکمال الدّین	شیخ صدوق، ابن بابویہ قمیؒ، ابو جعفر محمد بن علی
۱۸۔ الامّ	امام شافعی، محمد بن ادریس
۱۹۔ الامالی	شیخ صدوق، ابن بابویہ قمیؒ، ابو جعفر محمد بن علی
۲۰۔ الامالی	طوسی، محمد بن الحسن، ابو جعفر
۲۱۔ الانتصار	سید مرتضیٰ علم الہدیٰ
۲۲۔ انساب الاشراف	بلاذری، احمد بن یحییٰ
۲۳۔ انوار التنزیل تفسیر	بیضاوی، ناصر الدّین عبداللہ بن عمر الشّافعی

(ب)

۲۴۔ بحار الانوار	علّامہ محمّد باقر مجلسی
۲۵۔ بدایۃ المجتہد	ابن رشد الحفید

۲۶۔ البدایہ والنّہایہ — ابن کثیر، عماد الدین اسمٰعیل بن عمر دمشقی
۲۷۔ البرہان فی تفسیر القرآن — سیّد ہاشم بحرانی
۲۸۔ بصائر الدّرجات — صفّار، محمد بن حسن القُمّی
۲۹۔ البیان فی تفسیر القرآن — آیۃ اللہ سیّد ابو القاسم الخوئی
۳۰۔ البیان والتّبیین — جاحظ، ابو عثمان

(ت)

۳۱۔ تاج العروس — مرتضیٰ الحسینی الزبیدی، ابو الفیض محمّد
۳۲۔ تاریخ بغداد — الخطیب البغدادی، احمد بن علی بن ثابت
۳۳۔ تاریخ الخلفاء — سیوطی، جلال الدّین
۳۴۔ تاریخِ الخمیس — دیار بکری، حسین بن محمّد بن حسن
۳۵۔ تاریخِ دمشق — ابن عساکر، حافظ ابو القاسم علی بن ابی محمد دمشقی
۳۶۔ تاریخ الرّسل والملوک — طبری، ابو جعفر محمّد بن جریر
۳۷۔ تاریخ الکوفہ — البراقی
۳۸۔ تاریخ یعقوبی — الیعقوبی، احمد بن ابی یعقوب
۳۹۔ تحف العقول — الحرّانی، ابن شعبہ
۴۰۔ تعلیقات — بہبانی، محمّد باقر

۴۱۔ تفسیر التبیان	شیخ طوسی، ابوجعفر محمد بن الحسن
۴۲۔ تفسیر الصّافی	فیض محسن کاشانی، محمّد بن مرتضیٰ
۴۳۔ تفسیر الفرات	فرات بن ابراہیم کوفی
۴۴۔ تفہیم القرآن	سیّد ابو الاعلیٰ مودودی
۴۵۔ تہذیب الاحکام	طوسی، ابوجعفر محمّد بن الحسن

(ث)

۴۶۔ ثلاث رسائل	جاحظ، ابوعثمان
۴۷۔ ثمرات الاوراق	ابن حجۃ الحموی

(ج)

۴۸۔ جامع احادیث الشیعہ	بروجردی، آیۃ اللہ سیّد حسین
۴۹۔ الجامع لاحکام القرآن	قرطبی، ابوعبداللہ محمّد بن احمد المالکی
۵۰۔ جامع البیان	طبری، ابوجعفر محمّد بن جریر
۵۱۔ الجامع الکبیر	ثوری، ابوعبداللہ سفیان بن سعید الکوفی
۵۲۔ جمہرۃ انساب العرب	ابن حزم الاندلسی، ابومحمد علی بن احمد
۵۳۔ جواہر الکلام	الشیخ محمّد حسن النجفی
۵۴۔ جواہر الحسان	ثعالبی، ابوزید عبد الرحمٰن بن محمّد

۵۵- جامع الرّواۃ — اردبیلی، احمد بن محمدؒ

(ح)

۵۶- حبیب السّیر — خواندمیر، غیاث الدین شیرازی

۵۷- الحدائق الناضرہ فی احکام العترۃ الطاہرہؑ — البحرانی، الشیخ یوسف بن احمد

۵۸- حلیۃ الاولیاء — ابونعیم اصفہانی، احمد بن عبداللہ بن اسحٰق

۵۹- حیاۃُ محمدؐ — ہیکل، محمد الحسین

(خ)

۶۰- الخراج — امام ابویوسف

۶۱- الخراج — قدامہ بن جعفر

۶۲- الخصال — شیخ صدوق، ابوجعفر محمّد بن علی القُمّی

۶۳- الخلاف — طوسی، ابوجعفر محمّد بن الحسن

۶۴- خلافت وملوکیّت — سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

(د)

۶۵- دراسات وبحوث فی التاریخ — جعفر مرتضیٰ

۶۶- الدّرالمنثور فی التفسیر بالماثور — سیوطی، جلال الدّین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔

(ر)

۶۷۔ الرائد لغت	جبران مسعود
۶۸۔ روح المعانی ۔ (تفسیر)	الوسی، سیّد محمود افندی
۶۹۔ الرّوض الانف	سہیلی، عبدالرحمٰن عبداللہ بن احمد الخثعمی
۷۰۔ الروضۃ البہیّہ فی شرح اللمعۃ الدمشقیّہ	شہید ثانی، زین الدین الجبعی العاملی
۷۱۔ روضۃ الکافی	کلینی، محمّد بن یعقوب
۷۲۔ الریاض النّضرہ	طبری، ابوالقاسم احمد بن عبداللہ المکّی الشّافعی

(ز)

۷۳۔ زاد المسیر	ابن الجوزی، عبدالرحمٰن بن علی
۷۴۔ زاد المعاد	ابنِ قیم، شمس الدین محمّد بن ابی بکر الزّرعی الحنبلی
۷۵۔ زبدۃ البیان فی شرح آیات احکام القرآن	مقدس اردبیلی، احمد بن محمّد
۷۶۔ الزینۃ فی الکلمات الاسلامیۃ العربیّۃ	ابو حاتم رازی، احمد بن حمدان۔

(س)

۷۷۔ سفینۃ البحار	محدث قُمّی، الحاج شیخ عبّاس
۷۸۔ سنن ابن ماجہ	امام ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید الرّبعی
۷۹۔ سنن ابوداؤد	امام ابوداؤد، سلیمان بن اشعث سجستانی

۸۰۔ سنن الدّارمی — دارمی، ابو محمدّ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن

۸۱۔ السنن الکبریٰ — بیہقی، ابو بکر احمد بن الحسین

۸۲۔ سنن نسائی — امام نسائی، ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب

۸۳۔ السیرۃ النّبویّہ — ابن کثیر، ابو الفداء، اسمٰعیل

۸۴۔ السیرۃ النّبویّہ — ابن ہشام، ابو محمدّ عبد الملک المعافری

۸۵۔ سیرۃ النبیؐ — شبلی نعمانی، محمد بن حبیب اللہ

(ش)

۸۶۔ شذرات الذّہب — ابن العماد، عبد الحی

۸۷۔ شرایع الاسلام — محقق حلّی، نجم الدّین جعفر بن الحسن

۸۸۔ شرح مواقف — شریف جرجانی، سید علی بن محمدّ بن علی الحنفی

۸۹۔ شرح نخبۃ الفکر — ملّا علی القاری، علی بن سلطان محمد الہروی

۹۰۔ شرح نووی (صحیح مسلم) — نووی، شیخ ابو زکریا یحیٰی بن شرف

۹۱۔ شرح نہج البلاغہ — ابن ابی الحدید، عبد الحمید بن ہبۃ اللہ معتزلی

۹۲۔ شواہد التنزیل — الحافظ الحسکانی، عبد اللہ بن احمد بن محمدّ

(ص)

۹۳۔ صبح الاعشیٰ — قلقشندی، ابو العبّاس احمد بن علی

۹۴۔ صحیح بخاری — امام بخاری، محمّد بن اسمٰعیل
۹۵۔ صحیح ترمذی — امام ترمذی، محمّد بن عیسیٰ
۹۶۔ صحیح مسلم — امام مسلم، ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری
۹۷۔ الصواعق المحرقہ — حافظ ابن حجر مکی، شہاب الدّین احمد بن محمّد

(ض)

۹۸۔ ضحی الاسلام — احمد امین
۹۹۔ الضوء اللّامع — سخاوی، محمد شمس الدّین

(ط)

۱۰۰۔ طبقات ابن سعد — ابن سعد، محمد بن سعد بن معن البصری الزّہری
۱۰۱۔ طبقات الشافعیّۃ الکبریٰ — سبکی، عبدالوہاب تاج الدّین

(ع)

۱۰۲۔ العبر و دیوان المبتدا والخبر — محمد بن خلدون، ابوزید عبدالرّحمٰن بن محمّد
۱۰۳۔ عروۃ الوثقیٰ — یزدی، آیۃ اللہ سید محمد کاظم طبا طبائی
۱۰۴۔ العقد الفرید — ابن عبد ربّہ، احمد بن محمّد الاندلسی
۱۰۵۔ علل الشرائع — شیخ صدوق، ابن بابویہ قمّی، ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین

۱۰۶۔ عیون الاثر	ابن سیّد النّاس ابوالفتح محمد بن ابی بکر الاندلسی
۱۰۷۔ عیون الاخبار	ابن قتیبہ، ابو محمد عبد اللہ
۱۰۸۔ عیون اخبار الرّضا	شیخ صدوق ابن بابویہ قمیؒ، ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین

(غ)

۱۰۹۔ الغدیر	محقق امینی، شیخ عبد الحسین
۱۱۰۔ غرائب القرآن (تفسیر)	نظام نیشاپوری، حافظ نظام الدّین بن الحسن بن محمّد

(ف)

۱۱۱۔ الفائق فی غریب الحدیث	زمخشری، ابوالقاسم محمود بن عمر
۱۱۲۔ الفتاویٰ الکبریٰ	ابن حجر الہیثمی شہاب الدّین احمد بن محمد المکّی
۱۱۳۔ فتح الباری (شرح بخاری)	حافظ ابن حجر عسقلانی ابوالفضل احمد بن علی
۱۱۴۔ فتح البیان فی مقاصد القرآن	نواب صدّیق حسن خاں
۱۱۵۔ فتح القدیر (تفسیر)	قاضی شوکانی، محمد بن علی الصنعانی
۱۱۶۔ فتوح البلدان	بلاذری ابوالحسن احمد بن یحیٰ
۱۱۷۔ فتوح مصر والمغرب	ابن عبد الحکم عبد الرحمٰن بن عبد اللہ مالکی

۱۱۸۔ فجر الاسلام	احمد امین
۱۱۹۔ الفرق بین الفرق	البغدادی، عبدالقاہر بن طاہر التمیمی
۱۲۰۔ فروع الکافی	الکلینی، محمّد بن یعقوب
۱۲۱۔ الفصل فی الملل والاہواء والنّحل	ابن حزم، علی بن احمد
الفصول المہمّہ	ابن صبّاغ مالکی، نور الدّین بن علی بن محمّد
۱۲۳۔ الفقہ علی المذاہب الخمسہ	مغنیہ، محمّد جواد
۱۲۴۔ الفوائد	بہبہانی، محمّد باقر

(ق)

۱۲۵۔ قاموس الیاس العصری	الیاس انطون الیاس
۱۲۶۔ قاموس الرّجال	التّستری، شیخ محمّد تقی
۱۲۷۔ القاموس المحیط	فیروزآبادی، مجد الدّین محمّد بن یعقوب
۱۲۸۔ قلائد الدّرر فی بیان آیات الاحکام بالاثر	جزائری، شیخ احمد بن اسمٰعیل

(ک)

۱۲۹۔ الکامل فی التاریخ	ابن الاثیر، عزّ الدّین ابو الحسن علی الجزری
۱۳۰۔ الکشّاف عن حقائق التنزیل	زمخشری، ابو القاسم محمود بن عمر
۱۳۱۔ کشف الظّنون عن اسامی الکتب والفنون	کاتب چلبی، خلیفہ مصطفٰے ابن عبداللہ

۱۳۲- کشف الغمّہ — الاربلی، علی بن عیسیٰ
۱۳۳- کنز العمّال — متقی الہندی، علاء الدین علی بن حسام الدین عبد الملک
۱۳۴- کتاب الاموال — ابو عبید القاسم
۱۳۵- الکنیٰ والالقاب — محدّث قمیؒ، الحاج شیخ عبّاس

(ل)

۱۳۶- لباب التّاویل فی معانی التنزیل — الخازن، علاء الدّین علی بن محمّد
۱۳۷- لسان العرب — ابن منظور، ابو الفضل جمال الدّین محمّد بن مکرم افریقی

(م)

۱۳۸- مجمع البحرین و مطلع النورین — طریحی، شیخ فخر الدّین
۱۳۹- مجمع البیان لعلوم القرآن — طبرسی، امین الدّین ابو علی فضل بن الحسن
۱۴۰- مجمع الزّوائد — حافظ ہیثمی، نور الدّین علی بن ابی بکر
۱۴۱- مروج الذّہب — المسعودی، ابو الحسن علی بن الحسین
۱۴۲- مستدرک الوسائل — نوری، میرزا حسین
۱۴۳- مستمسک عروۃ الوثقیٰ — آیۃ اللہ الحکیم، سیّد محسن طبا طبائی
۱۴۴- مسند ابن حنبل — امام احمد بن حنبل
۱۴۵- مشکوٰۃ المصابیح — ولی الدّین، محمد بن عبد اللہ الخطیب العمری

۱۴۶۔ مُصَنَّف	عبد الرّزاق
۱۴۷۔ المعجم الوسیط	مجمع اللّغۃ العربیّہ۔ قاہرہ، مصر
۱۴۸۔ المغازی	واقدی، محمّد بن عمر
۱۴۹۔ مفتاح السّعادۃ و مصباح السّیادۃ	طاش کبری زادہ احمد بن مصطفیٰ خلیل
۱۵۰۔ المفردات فی غریب القرآن	راغب اصفہانی، ابو القاسم حسین بن محمّد
۱۵۱۔ مقالات الاسلامیّین	الاشعری، ابو الحسن علی بن اسمٰعیل
۱۵۲۔ مقدمۂ ابن خلدون	محمد بن خلدون، ابو زید عبد الرحمٰن بن محمّد
۱۵۳۔ مقدمہ مرآت العقول	علامہ عسکری، السیّد مرتضیٰ
۱۵۴۔ المقنعہ	شیخ مفید، محمد بن نعمان الحارثی
۱۵۵۔ المنجد فی اللّغۃ والاعلام	الاب لویس، معلوف الیسوعی
۱۵۶۔ من لایحضرہ الفقیہ	شیخ صدوق، ابن بابویہ قُمّی، ابو جعفر محمّد بن علی
۱۵۷۔ المواہب اللّدنیّہ	قسطلانی، ابو العباس احمد بن محمّد
۱۵۸۔ موطا	امام مالک بن انس
۱۵۹۔ میزان الاعتدال	ذہبی، شمس الدّین
۱۶۰۔ المیزان فی تفسیر القرآن	علّامہ طبا طبائی، سیّد محمّد حسین
۱۶۱۔ تتشابہات القرآن	علّامہ ابن شہر آشوب

(ن)

۱۶۲- النصائح الکافیه	محمدّ بن عقیل الحضرمی
۱۶۳- نورالابصار فی مناقب آلِ بیت النبیؐ المختار	شبلنجی، سیّد محمدّ مؤمن بن حسن
۱۶۴- النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر	ابن اثیر الجزری، مجد الدین ابو السعادت المبارک
۱۶۵- نہج البلاغہ	(تقدیم وتوضیح) ڈاکٹر صبحی صالح

(و)

۱۶۶- الوافی بالوفیات	الصّفدی، صلاح الدّین خلیل
۱۶۷- الوثائق السّیاسیّہ	ڈاکٹر حمید اللہ
۱۶۸- وسائل الشّیعہ الی تحصیل مسائل الشّریعہ	الشیخ حُرّ العاملی، محمدّ بن الحسن
۱۶۹- وفار الوفار	السّمہودی، نُور الدّین
۱۷۰- وفیات الاعیان	ابن خلّکان، ابوالعبّاس احمد بن محمد البرکی

(ھ)

۱۷۱- الھدیٰ الی دین المصطفیٰ	البلاغی، شیخ محمدّ جوّاد

(ی)

۱۷۲- ینابیع المودّہ	قندوزی، شیخ سلیمان بن ابراہیم الحنفی

یادداشت

یادداشت

Rs40·00